اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

آئینہ

۱۵ ذوق اور ایثار

[illegible]

۳۱ تلافی

جدون ادیب

وہ [illegible] کی رقم سے دولت مند بنا تھا، لیکن اب اس کی تلافی کرنا چاہتا تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد
شہید حکیم محمد سعید کی یاد رہنے والی باتیں

بعض وقت اپنے کسی دوست، عزیز، ملنے والے یا دفتر کے ساتھی کے خلاف دل میں کوئی خیال آجاتا ہے۔ زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے اس دوست سے تو وہ خیال ظاہر نہیں کرتا، لیکن دل میں ضرور بٹھا لیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس خیال کا اثر عمل پر بھی پڑتا ہے اور کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جس سے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔ گویا خرابی کی جڑ وہ خیال ہوا جو تمھارے دل میں آیا اور اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلا۔ تعلقات خراب ہونا اچھی بات نہیں ہے۔ تعلقات بڑی مشکل سے بنتے ہیں اور خوش گوار تعلقات بہت کام آتے ہیں۔ ان سے خوشی ہوتی ہے اور انسانوں کا آپس میں خوش ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر سب انسانوں کے تعلقات آپس میں خوش گوار ہوں تو پوری قوم خوش رہے گی اور سب لوگ آپس میں مل کر اچھے اچھے کام کریں گے، ایک دوسرے پر اعتماد کریں گے۔ اعتماد سے دنیا چلتی ہے اور لوگ پریشانی سے بچتے ہیں، اس لیے جب کسی کے بارے میں کوئی بُرا خیال دل میں آئے تو اس کو دل سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے کسی دوسرے دوست سے اس کا ذکر کر دینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے تمھارا خیال محض غلط فہمی کی وجہ سے ہو اور دوسرا دوست تمھیں صحیح بات بتا دے، لیکن وہ دوست مخلص اور سچا ہو، ورنہ وہ بجائے صفائی کرنے کے تم دونوں کو اور لڑوا دے گا یا جس دوست کے متعلق غلط خیال پیدا ہوا ہے اسی سے ذکر کر کے بات صاف کر لینی چاہیے۔ بہر حال کوئی بُرا خیال جتنی جلد ہو سکے دل سے نکال دینا اچھا ہے۔

(ہمدرد نونہال جنوری ۱۹۸۷ء سے لیا گیا)

پہلی بات

سلیم فرخی

اس مہینے کا خیال

اچھی عادتیں انسان کی طاقت میں اضافہ کرتی ہیں۔

مسعود احمد برکاتی

یہ فروری کا مہینا ہے، سال کا سب سے چھوٹا مہینا۔ اکثر نونہال سوچتے ہیں کہ فروری ۳ سال تک ۲۸ دن کا اور چوتھے سال ۲۹ دن کا کیوں ہو جاتا ہے۔ اس بار پہلی بات میں کچھ علمی بات کیلنڈر کے بارے میں ہو جائے، تا کہ نونہالوں کی الجھن رفع ہو اور کچھ معلومات بھی بڑھے۔

قدیم مصری قوم نے دریائے نیل کے چڑھنے اترنے اور "شعریٰ یمانی" نام کے ایک ستارے (اس کا ذکر سورۂ نجم میں بھی ہے) کے ہر سال ٹھیک وقت پر طلوع ہونے سے حساب لگا کر اور غور سے مشاہدہ کر کے ۴۲۴۱ سال قبل مسیح (یعنی طوفانِ نوح کے تقریباً ۳۰۰ سال بعد) پہلا کیلنڈر ترتیب دیا تھا۔ یہ کیلنڈر شمسی اور قمری سالوں کو ملا کر بنایا گیا تھا۔

۷۵۳ سال قبل مسیح میں رومن کیلنڈر رائج ہوا۔ یہ صرف دس مہینوں پر مشتمل تھا۔ مارچ پہلا اور دسمبر دسواں مہینا تھا۔ اس سال میں ۳۰۴ دن ہوتے تھے۔ اس میں جنوری اور فروری کا اضافہ بعد میں ہوا اور جنوری کو پہلا مہینا مان لیا گیا۔ ۴۶ سال قبل مسیح میں ایک رومی بادشاہ جولیس سیزر نے ایک مصری ماہر فلکیات "سوسی جینز" سے ایک شمسی کیلنڈر تیار کروایا، جو ۳۶۵ دنوں پر مشتمل تھا۔ یہ جولین کیلنڈر کہلایا۔ اس کے بعد ۱۵۸۲ء میں ایک رومی بادشاہ پوپ گریگوری نے جولین کیلنڈر میں موجود خامیاں دور کر کے اپنے نام سے گریگورین کیلنڈر نافذ کیا، یہی ہمارا موجودہ شمسی کیلنڈر ہے۔ یہ تو تھا کیلنڈر کا مختصر تعارف۔ اب آتے ہیں فروری کے ۲۹ دن کی وضاحت کی طرف کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ زمین سورج کے گرد ایک چکر ۳۶۵ دن، ۵ گھنٹے، ۴۸ منٹ اور ۴۶ سیکنڈ میں مکمل کرتی ہے، لیکن ہم ۳۶۵ دن شمار کر کے باقی وقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہی نظر انداز شدہ وقت ۴ سال تک جمع ہو کر ۲۳ گھنٹے، ۵ منٹ اور ۴ سیکنڈ ہو جاتا ہے، جسے ہم پورا ایک دن مان کر چوتھے سال فروری کے مہینے میں شامل کر دیتے ہیں، یوں فروری کا مہینا ۲۸ کے بجائے ۲۹ دن کا ہو جاتا ہے۔ اس طرح چوتھا سال ۳۶۵ کے بجائے ۳۶۶ دن کا ہو جاتا ہے اور لیپ کا سال (LEAP YEAR) کہلاتا ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ سال کے اعداد ۴ پر پورے تقسیم ہو جاتے ہیں۔ لیکن صدی کا آخری سال جب تک ۴۰۰ پر پورا تقسیم نہ ہو، لیپ کا سال نہیں مانا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۴ سال میں جمع ہونے والے ۲۳ گھنٹے، ۵ منٹ اور ۴ سیکنڈ کو پورا ایک دن مانا گیا تھا، جب کہ ایک دن ۲۴ گھنٹے کا ہوتا ہے۔ یہ فرق ۱۰۰ سال میں تقریباً ۲۴ دن کا ہو جاتا ہے، اس لیے ۱۰۰ سال میں لیپ کے ۲۵ کے بجائے عموماً ۲۴ سال ہوتے ہیں۔

☆ ۳ فروری ۱۹۹۵ء کو فیصل آباد میں پیدا ہونے والی پاکستان کی ایک مایہ ناز بیٹی ارفع کریم ۱۴ جنوری ۲۰۱۲ء کو صرف ۱۶ سال کی عمر میں کمپیوٹر ٹیکنالوجی میں اپنی صلاحیت کا لوہا منوا کر دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

☆ نونہالوں کی بھیجی ہوئی ہر کہانی یا مضمون، جس کے آخر میں ان کا نام اور مکمل پتا نہیں لکھا ہوتا، وہ ضائع کر دی جاتی ہیں، لہٰذا ہر تحریر کے آخر میں اپنا نام اور مکمل پتا ضرور لکھیے۔

☆

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

روشن خیالات

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جو شخص نرم مزاجی سے محروم رہا، وہ ساری بھلائی سے محروم رہا۔ مرسلہ : آصف بوزدار، میر پور ماتھیلو

حضرت ابو بکر صدیقؓ

گناہ ایک اندھیرا ہے اور توبہ اس کا چراغ ہے۔

مرسلہ : لبنیٰ کمال، سکھر

حکیم لقمانؒ

سچ ایک ایسی دوا ہے، جو پینے میں کڑوی، لیکن تاثیر میں میٹھی ہے۔ مرسلہ: محمد صالح، جی ٹی روڈ، ساہیوال

مولانا رومی

کل میں نادان تھا، اس لیے دنیا کو تبدیل کرنا چاہتا تھا۔ آج مجھ میں عقل آ گئی ہے، اس لیے میں خود کو تبدیل کر رہا ہوں۔

مرسلہ : آمنہ زین، لانڈھی، کراچی

گوتم بدھ

نفرت کو نفرت سے کم نہیں، محبت سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ مرسلہ : ایم اختر اعوان، کراچی

جبران خلیل جبران

بہترین انسان وہ ہے کہ جب اس کی تعریف کی جائے تو وہ شرمندہ ہو اور جب اس کی برائی کی جائے تو وہ خاموش رہے۔ مرسلہ : شہزیم راجا، جھڈو، سندھ

علامہ اقبال

کام میری نظر میں اتنا مقدس ہے، جیسے کوئی عبادت۔

مرسلہ : عبدالرحمٰن قیصر، شونا رکیٹ

عبدالستار ایدھی

انسانیت کی مدد نہ کرنے والے انسان کہلانے کے مستحق نہیں۔ مرسلہ : محمد ارسلان صدیقی، کراچی

شیکسپیئر

اچھی کتاب کا مطالعہ دل کو زندہ اور دماغ کو تازہ رکھتا ہے۔ مرسلہ : لائبہ فاطمہ محمد شاہد، میر پور خاص

ابراہم لنکن

محنتی انسان کے سامنے پہاڑ بھی کنکر ہے اور کاہل آدمی کے سامنے کنکر بھی پہاڑ ہے۔

مرسلہ: تحریم خان، بلال ٹاؤن

حمدِ باری تعالیٰ

شریف شیوہ

جو بھی اوجھل ہے اور ہے ظاہر
اُس کی قدرت سے وہ نہیں باہر

برق ، بادل ، ہوا ، گھٹا ، برسات
سب نظارے ہیں رحم و کرم کے ساتھ

ڈالیاں ، پھول ، سبز اشجار
تیری کاری گری کے ہیں شہکار

ہر کلی کی چٹک میں تو ہی تو
گلِ تر کی مہک میں تو ہی تو

سب جہانوں کا مالک و مختار
تو نے پیدا کیے زمیں کہسار

سامنے تیرے کون دم مارے
سب کے ہونٹوں پہ ہیں تیرے نعرے

یہ پرندے جو چہچہاتے ہیں
تیری قدرت کے گیت گاتے ہیں

یہ جو کھیتوں کی لہلہاہٹ ہے
کس قدر خوشنما بناوٹ ہے

آبشاروں میں روشنی کا سماں
دیکھ کر ہوتی ہے نظر حیراں

سب پرندوں کو پر دیے تو نے
جن سے آکاش وہ لگے چھونے

شیوہ ، اُس کے کمال ہیں سارے
گلستاں ، پھول ، چاند اور تارے

رقم کہاں سے آئی؟

حبیب اشرف صبوحی

میری والدہ صاحبہ بڑی عبادت گزار اور اللہ پر توکل کرنے والی، بڑی سلیقہ شعار اور باہمت خاتون تھیں۔ والد صاحب کی تنخواہ بہت کم تھی، لیکن والدہ صاحبہ نے اس مختصر تنخواہ میں بھی ہم بہن بھائیوں کی عمدہ تعلیم اور اچھی تربیت کی۔ کبھی اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہیں کی۔ یہاں میں اپنی والدہ صاحبہ کے دو واقعات لکھ رہا ہوں، جن سے ان کی عظیم شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

میرے والد صاحب ڈاک خانے میں ملازم تھے۔ تنخواہ بہت کم تھی، بس گزر بسر کسی نہ کسی طریقے سے ہو رہی تھی۔ والدہ صاحبہ اکثر والد صاحب سے کہتی تھیں کہ اگر کسی مہینے کے اخراجات سے کچھ پیسے بچ جائیں تو گھر کا فلاں فلاں کام ہو جائے، لیکن اخراجات ہر مہینے کسی نہ کسی وجہ سے بڑھ جاتے تھے۔

ایک روز والد صاحب شام کو دفتر سے گھر آئے اور والدہ صاحبہ کو خاموشی سے ایک بڑی رقم دی اور کہا: ''یہ رقم اپنے استعمال میں لاؤ اور جتنے بھی کام رُکے ہوئے ہیں، کرلو۔ یہ سب رقم تمھاری ہے۔ ماضی کے جتنے بھی گلے شکوے اور خواہشات ہیں، اس سے پوری کرلو۔''

والدہ صاحبہ نے خوشی سے پوچھا: ''اتنی بڑی رقم کہاں سے آئی ہے؟''

والد صاحب نے بتایا: ''آج ایک صاحب آئے تھے، کافی دیر میرے پاس بیٹھے

رہے، جب جانے لگے تو یہ رقم میرے پاس بھول کر چلے گئے۔ میں نے یہ رقم چھپالی۔ کچھ دیر بعد وہ صاحب گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور پوچھا کہ میں اپنا ایک تھیلا، جس میں کچھ رقم تھی، یہاں تو نہیں بھول گیا؟ میں نے کہا کہ آپ کہیں اور بھول آئے ہوں گے۔ تو وہ صاحب چلے گئے۔

والدہ صاحبہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ رقم اس طریقے سے آئی ہے تو ایک دم ان کا رنگ غم اور پریشانی سے سفید ہو گیا۔ وہ والد صاحب سے کہنے لگیں: ''تم نے اتنی بڑی بے ایمانی کیسے کی؟ یہ بات تمھیں زیب نہیں دیتی۔ میں یہ رقم نہیں لوں گی۔ اس رقم کو واپس کر کے آؤ۔''

والد صاحب نے کہا: ''اس عمل کا گناہ اور ثواب میرے ذمے ہے۔ بس تم اس رقم کو استعمال کرو۔''

والدہ صاحبہ نے سختی سے انکار کیا اور کہا: ''میں یہ رقم استعمال نہیں کروں گی۔ میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا۔''

جب والد نے دیکھا کہ وہ بہت زیادہ پریشان ہو گئی ہیں تو کہا: ''میں مذاق کر رہا تھا اور تمھیں آزمانا چاہتا تھا۔ دراصل آج ڈاک خانے کی گاڑی نقد رقم لینے نہیں آئی۔ اس وجہ سے میں یہ رقم گھر لے آیا کہ کہیں ڈاک خانے سے چوری نہ ہو جائے۔ یہ سرکاری امانت ہے۔ صبح واپس لے جاؤں گا۔'' والدہ صاحبہ نے سنا تو سکھ کا سانس لیا اور رقم حفاظت سے رکھ لی۔

والدہ کا پرس

ایک بار ایک عزیز کی شادی کے سلسلے میں والدہ صاحبہ کو لے کر پرل کانٹی نینٹل ہوٹل جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ہمارے ایک قریبی عزیز ملنے آئے۔ انھوں نے والدہ کو ایک بڑی رقم دی اور کہا کہ یہ امانت ہے اور جب مجھے ضرورت ہوگی، میں لے لوں گا۔ جب تقریب ختم ہوئی اور ہم واپسی کے لیے کار پارکنگ میں آئے تو والدہ صاحبہ گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے اوڑھنے کے لیے برقع درست کرنے لگیں اور اپنا پرس جس میں کافی رقم تھی، قریبی کھڑے ایک اسکوٹر کی سیٹ پر رکھ دیا۔ برقع ٹھیک کرنے کے بعد انھیں پرس اُٹھانا یاد نہ رہا اور وہ گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

جب آدھا راستہ طے ہوگیا تو میں نے ایک جگہ پیٹرول بھروانے کے لیے گاڑی روکی۔ پیٹرول ڈلوایا تو میں نے والدہ صاحبہ سے کہا کہ آپ اپنے پرس میں سے کچھ پیسے دے دیں۔ اس پر انھیں یاد آیا کہ وہ اپنا پرس تو وہیں بھول آئی ہیں، جہاں انھوں نے برقع درست کیا تھا۔

میں نے پریشانی سے کہا: ''اس میں تو کافی رقم تھی، اب وہ پرس کہاں ملے گا۔''

وہ کہنے لگیں: ''مجھے اللہ کی ذات پر اُمید ہے کہ وہ پرس کہیں نہیں جائے گا۔''

جب ہم آدھے گھنٹے بعد وہاں پہنچے تو دیکھا کہ پرس اسی جگہ اسکوٹر کی سیٹ پر رکھا ہوا تھا اور رقم بھی پوری تھی، حالاں کہ اس دوران بے شمار لوگ کار پارکنگ میں آئے ہوں گے، لیکن کسی کی پرس پر نظر نہیں پڑی۔ اسے والدہ صاحبہ پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی سمجھ لیں۔ ☆

معلومات ہی معلومات

غلام حسین میمن

بابُ العلم، بحرُ العلم

مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ اور حضور اکرمؐ کے داماد حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو بابُ العلم (علم کا دروازہ) کہا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ انھوں نے بچپن ہی سے نبی کریمؐ کے سائے میں تربیت پائی تھی۔ نبی کریمؐ نے فرمایا تھا: ''میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ۔''

بحرُ العلم (علم کا سمندر)، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو کہا جاتا ہے۔ وہ رسول اللہؐ کے چچا حضرت عباسؓ کے صاحبزادے تھے۔ قرآن مجید کی تفسیر (کھول کر مطلب بیان کرنا) میں مہارت کی وجہ سے انھیں ''امام المفسرین'' بھی کہا جاتا ہے۔ نبی کریمؐ نے ایک بار ان کے لیے دعا فرمائی تھی: ''یا اللہ! اسے کتاب حکمت کا علم، دین کی سمجھ اور تاویلِ قرآن (قرآن کو سمجھانے کا طریقہ) عطا فرما۔''

۴۲۰/۴۲۰

ہم کسی بددیانت شخص کے لیے ''۴۲۰'' کا طنزیہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اکثر دوستوں کو بھی مذاق میں اس لفظ سے پکارتے ہیں۔ یہ ۴۲۰ کیا ہے؟ یہ دراصل پاکستان کے تعزیرات (قانونی سزاؤں کا مجموعہ) کی دفعہ کا نمبر ہے۔ کسی نے جائداد یا کوئی قیمتی چیز پر قبضہ جمانے کے لیے دستاویزات میں دھوکا دہی کی ہو اور جب گرفتار ہو جائے تو پولیس دفعہ ۴۲۰ لگا کر اسے عدالت کے حوالے دیتی ہے۔

''۴۴۰'' بجلی کے والٹ کی سب سے زیادہ برقی طاقت کا نام ہے۔ ہمارے گھروں میں عموماً ۲۲۰ والٹ کے حساب سے بجلی آتی ہے۔ یہ ۴۴۰ والٹ کی بجلی عموماً ٹرانسفارمر یا بجلی کے کھمبوں پر ہوتی ہے۔ اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ آپ نے عموماً ایسی جگہوں پر ''خبردار'' کے چھوٹے بورڈ دیکھے ہوں گے، جن پر انسانی کھوپڑی کی تصویر بھی بنی ہوتی ہے۔

نہرِ زبیدہ

پانچویں عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی، ملکہ زبیدہ تھیں۔ انھیں تاریخ میں یہ مقام حاصل ہے کہ انھوں نے حجاج کرام کو مکہ میں پانی نہ ملنے کی شکایت دور کرنے کے لیے نہر بنوائی۔ اس کام پر بہت سارا پیا خرچ ہوا، مگر حاجیوں کو پانی بلا رکاوٹ ملنے لگا۔ یہ نہر ملکہ زبیدہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ سات سو سال بعد یہ نہر مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کے سبب خشک ہوگئی۔

یہ بات ۹۶۵ ہجری کی ہے، جب ان حالات کی خبر ایک نیک دل ترک شہزادی فاطمہ خانم کو پہنچی تو وہ بھی ملکہ زبیدہ کی طرح بے چین ہوئی۔ اس نے نہرِ زبیدہ کو دوبارہ صاف کرنے اور پانی آگے پہنچانے کا انتظام کروایا۔ راستے میں آنے والی مضبوط چٹان کو بڑی محنت سے کاٹ کر پانی کو مزید آگے تک لے جایا گیا۔ اسی لیے اسے دوسری ملکہ زبیدہ بھی کہا جاتا ہے۔

ایک ہی دن

۱۲ فروری ۱۸۰۹ء کو دو مشہور شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ پہلی شخصیت مشہور سائنس داں چارلس ڈاروِن ہے، جسے نظریۂ ارتقاء کا بانی خیال کیا جاتا ہے۔ اس نظریے کو اسی کے نام

سے ڈارون کا نظریہ بھی کہا جاتا ہے۔

امریکا کا سولھواں صدر ابراہام لنکن بھی اسی تاریخ کو پیدا ہوا۔ اس نے عملی زندگی کا آغاز اسٹور کیپر، پوسٹ ماسٹر اور فوجی ملازمت سے کیا۔ اس کے بعد قانون کا امتحان پاس کیا اور وکالت شروع کی۔ بعد میں وہ امریکا کا صدر بنا۔ اس کے دور کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے امریکا سے غلامی کا خاتمہ کیا۔

زیر، زبر، پیش

دَم (د پر زبر) عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی خون یا لہو کے ہیں۔ اس کے علاوہ جان یا روح کو بھی دَم کہتے ہیں۔ عمرے یا حج کے دوران کسی غلطی کا کفارہ جانور ذبح کر کے ادا کیا جاتا ہے۔ اسے دَم دینا کہتے ہیں۔

دُم (د پر پیش) فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی پونچھ یا پچھلا حصہ کے ہیں۔

دَیا (د پر زبر) سنسکرت زبان کا لفظ ہے، جس کا مطلب ہے بخشش، ہمدردی یا مہربانی۔

دِیا (د کے نیچے زیر) ہندی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی چراغ کے ہیں۔ یہ کسی کو کچھ دینے کا ماضی بھی ہے۔ مثلاً میں نے اسے آم دیا۔ ☆

نیا سال

شمس القمر عاکف

کس قدر جلد وقت بیت گیا
جلوہ گر ہوگیا ہے سال نیا

وقت کیا پر لگا کے اُڑتا ہے
ساتھ ہم کو اُڑا کے اُڑتا ہے

سال پہ اب تو ہے گماں ایسے
چھے مہینوں کا ہوگیا جیسے

یہ نیا سال بھی نہ ٹھیرے گا
وقت کی رَو پہ بہتا جائے گا

بھاگ کر چل دیا ہے گزرا سال
آنکھ کھول! آگیا ہے اگلا سال

اُٹھ مرے دوست کام ہو جائے
یہ سحر ورنہ شام ہو جائے

تھام لو بھاگتے ہوئے لمحے
کب کسی کے لیے رُکے لمحے

دوستی اور ایثار

اُمِ عادل

کسی بادشاہ کے دربار میں بہت سے خدمت گاروں میں دو گہرے دوست بھی تھے۔ باقر دریا سے پانی بھر کر لاتا تھا اور عاقل سودا سلف لانے اور کھانا پکانے پر مامور تھا۔ عاقل نہایت لاپروا اور فضول خرچ تھا، مگر اس کے ساتھ نہایت ذہین بھی تھا۔ سلطنت کے بعض ایسے کام جن کو حل کرنے میں بادشاہ اور اس کے وزیر کو دقت پیش آتی، اور وہ مسئلہ جب عاقل کے علم میں آتا تو وہ اسے نہایت آسانی سے حل کر دیتا۔ اپنی اسی خوبی کی وجہ سے عاقل بادشاہ کی نظر میں ایک خاص مقام رکھتا تھا۔ بادشاہ اکثر اسے بہت سے انعامات سے نوازتا رہتا۔

باقر عام سی سمجھ بوجھ رکھنے والا شخص، مگر وہ کسی بھی قسم کی فضول خرچی و اسراف کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ عاقل باورچی خانے میں کام کے دوران کھانے پینے کا بہت سا سامان اپنی لاپروائی سے ضائع کر دیتا، بلکہ پانی بھی بے تحاشا ضائع کرتا۔ باقر، عاقل کو ہمیشہ ٹوکتا رہتا۔ جواب میں عاقل کہتا: ”تم مجھے پانی کے استعمال پر اس لیے ٹوکتے ہو کہ تمھیں زیادہ پانی نہ لانا پڑے اور تم مشقت سے بچ جاؤ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تم نہایت کنجوس بھی ہو۔“

باقر کہتا: ”نہیں، تمھارا خیال غلط ہے۔ ایسا میں صرف اس لیے کرتا ہوں کہ اللہ میاں کو کسی بھی طرح کی فضول خرچی پسند نہیں، خواہ وہ پانی کا استعمال ہی کیوں نہ ہو۔“

عاقل جواباً کہتا: ”کچھ بھی کہو، مگر یہ تو طے ہے کہ میں ایک سخی مزاج جب کہ تم کنجوس

انسان ہو۔

باقر نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا: ''شاید زندگی میں کبھی کوئی ایسا موڑ آ جائے، جہاں پر ثابت ہو جائے کہ سخی کون ہے؟ اگر ہماری زندگیوں میں کوئی ایسا موقع آیا تو میں ثابت کروں گا کہ میں کنجوس یا لالچی ہرگز نہیں، بلکہ تم سے زیادہ سخی ہوں۔''

عاقل چوں کہ اپنی ذہانت کی وجہ سے بادشاہ کی نظروں میں ایک اہم مقام رکھتا تھا، جو وزیر اعظم کو سخت ناگوار گزرتا۔ وہ ہمیشہ معمولی معمولی بات پر عاقل کے خلاف بادشاہ کے کان بھرتا رہتا۔ رفتہ رفتہ بادشاہ عاقل سے خفا رہنے لگا۔ جب عاقل کو بادشاہ کے بدلتے رویے کا اندازہ ہوا تو اس نے سوچا، اس سے پہلے کہ کسی روز بادشاہ بھرے دربار میں ذلیل و رسوا کر کے دربار سے نکل جانے کا حکم دے۔ مجھے خود ہی کہیں چلے جانا چاہیے۔

عاقل کے چپکے سے چلے جانے پر وزیر نے بادشاہ کو یہ کہہ کر بھڑکا دیا کہ عاقل شاہی خزانے سے زر و جواہرات چوری کر کے کہیں چھپ گیا ہے۔

بادشاہ نے وزیر کی بات پر یقین کرتے ہوئے عاقل کی گرفتاری کا اعلان کیا اور باقر کو بطور خاص حکم دے کر اس کی تلاش میں روانہ کر دیا، کیوں کہ وہ اس کے زیادہ قریب تھا۔

اُدھر عاقل بھی اپنی گرفتاری کے اعلان سے آگاہ ہو چکا تھا۔ اس نے ایک حمام میں جا کر اپنا حلیہ اس حد تک تبدیل کر لیا کہ بادشاہ کا کوئی بھی آدمی اسے عاقل کی حیثیت سے شناخت نہیں کر سکتا تھا، پھر وہ اطمینان سے اونٹ پر سوار ہو کر ایک دور دراز بستی کی طرف چل پڑا۔

اچانک راستے میں ایک نقاب پوش شخص نے تیزی سے آگے بڑھ کر عاقل کے
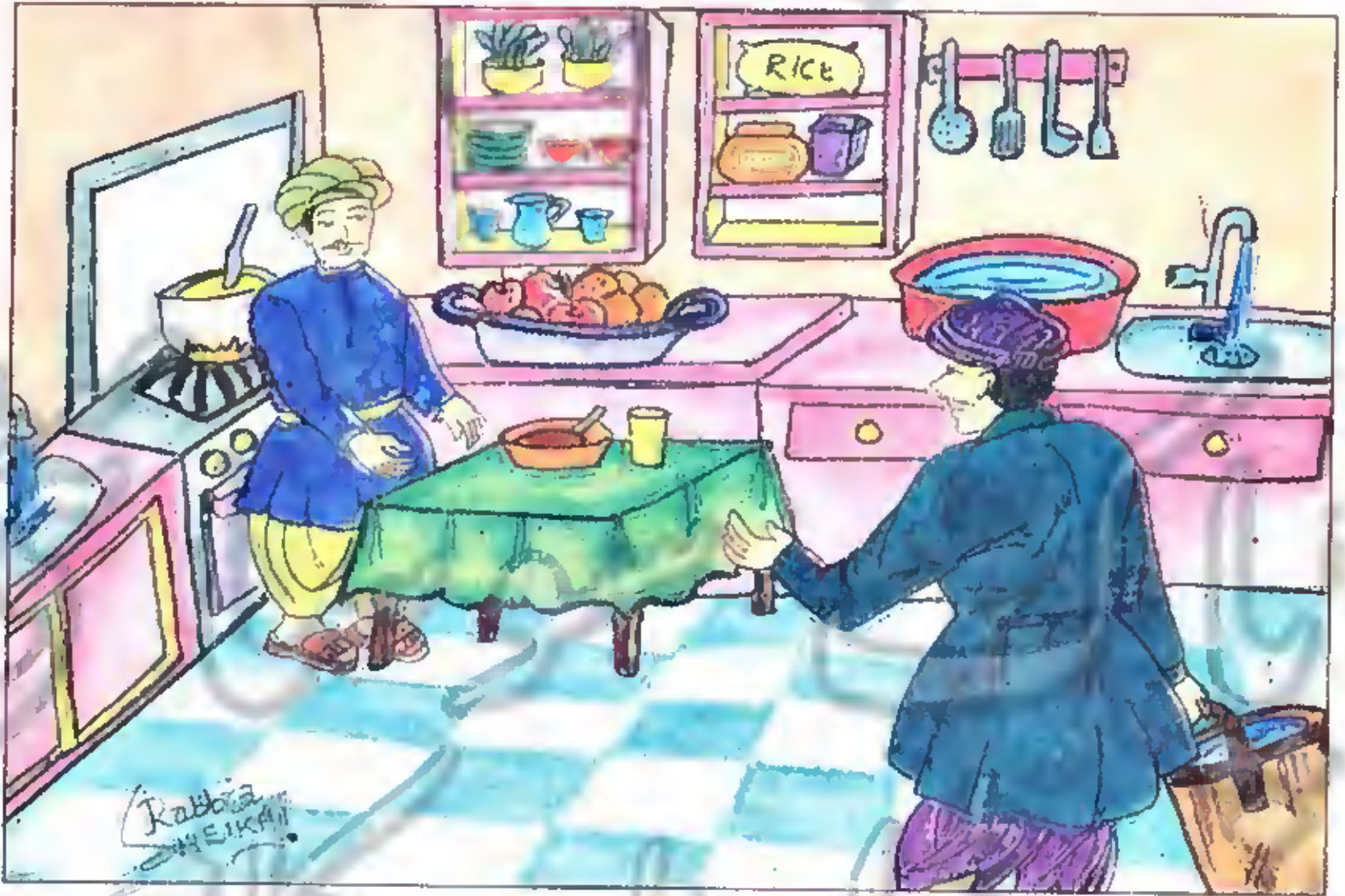
اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور اسے زمین پر بٹھا دیا۔ ساتھ ہی عاقل کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

اس نے نقاب پوش سے پوچھا: ''تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟''

عاقل سمجھا کہ کوئی ڈاکو اس سے اس کا مال لوٹنا چاہتا ہے۔ نقاب پوش نے کوئی جواب دینے کے بجائے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ عاقل نے فوراً باقر کو پہچان لیا۔

باقر بولا: ''میں تمھارا پرانا دوست باقر ہوں۔ تم کیسا ہی بھیس بدل لو، میں تمھیں پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتا، کیوں کہ جتنا تم خود کو جانتے ہو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں اتنا ہی میں تمھیں جانتا ہوں۔''

''چلو میں اقرار کرتا ہوں کہ میں عاقل ہوں، مگر تم میرے تعاقب میں کیوں ہو؟''

عاقل نے اعتراف کرتے ہوئے پوچھا۔

''تمھیں نہیں معلوم، بادشاہ کو تمھاری تلاش ہے۔''

''کیوں میرا جرم کیا ہے؟ یہی نا کہ بادشاہ کی ناراضگی سے بچنے کے لیے میں نے چپ چاپ دربار چھوڑ دیا۔'' عاقل نے آزردگی سے کہا۔

''نہیں میرے دوست! تمھارے اچانک بغیر بتائے دربار چھوڑ دینے کی وجہ سے وزیر نے تم پر شاہی خزانے سے زر و جواہر چوری کر کے فرار ہونے کا الزام لگایا ہے۔ میرے علاوہ بھی بادشاہ کے کئی کارندے تمھیں تلاش کر رہے ہیں۔ مجھے تو خاص طور پر بادشاہ سلامت نے حکم دیا ہے، جب کہ میں تمھاری تلاش میں آنا نہیں چاہتا تھا، کیوں کہ میں تمھیں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم سدا کے فضول خرچ ہو، مگر چور ہرگز نہیں ہو۔ وزیر تم پر چوری کا الزام لگا کر تمھیں بادشاہ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُتار کر ہمیشہ کے لیے تم سے نجات چاہتا ہے۔'' باقر نے اس کے تعاقب میں آنے کی اپنی مجبوری بیان کی۔

عاقل نے جب یہ دیکھا کہ بادشاہ کے حکم کی وجہ سے باقر کسی صورت میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا تو اس نے باقر کو ایک قیمتی ہار دیتے ہوئے کہا: ''دیکھو، یہ بادشاہ کی طرف سے ملنے والے انعام سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ یہ لے لو اور مفت میں میرا خون اپنے سر نہ لو۔''

باقر نے ہار واپس کرتے ہوئے کہا: ''عاقل! تم میرے ایک سوال کا جواب دو۔ میں نے ہمیشہ تمھیں فضول خرچیوں سے روکا، جب کہ تم نے ہمیشہ مجھے کنجوس، تنگ دل اور لالچی سمجھا۔ یہ بتاؤ، تم مجھے اس ہار کی صورت کیا اپنی تمام جمع پونجی بخش رہے ہو؟''

''نہیں، ایک ہار اور بھی میرے پاس ہے۔'' عاقل یہ بتاتے ہوئے سوچ رہا تھا
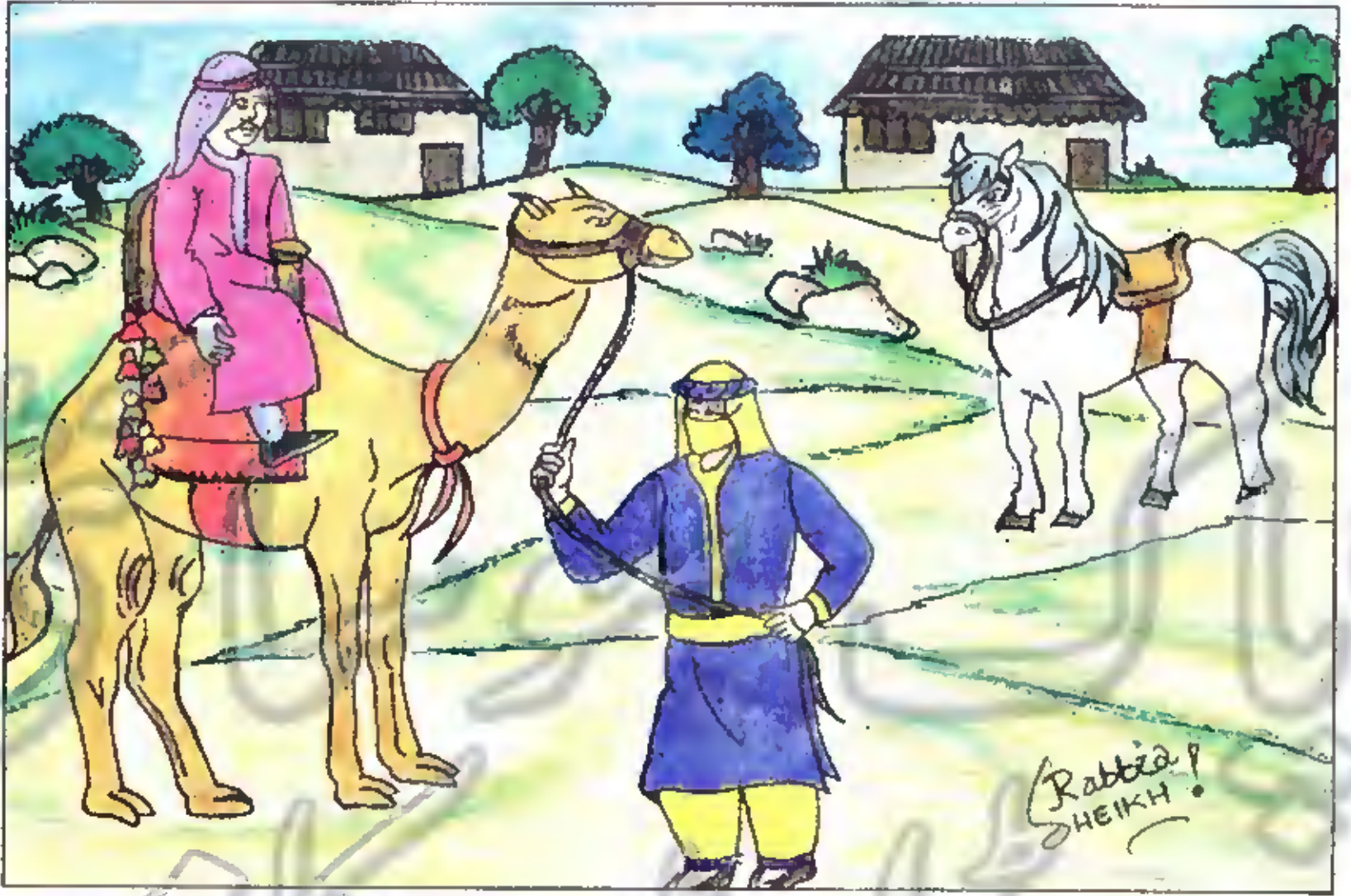
کہ اب باقر دوسرے ہار کا بھی مطالبہ کرے گا۔

باقر نے کہا: ''تم جانتے ہو کہ بادشاہ کی طرف سے مجھے ہر ماہ بیس درہم اُجرت ملتی ہے اور اس ہار کی قیمت لاکھوں میں ہے۔ اب تم اپنے مقابلے میں میری سخاوت دیکھو۔ میں یہ ہار اور تمھاری جان تمھیں بخش کر واپس جا رہا ہوں۔ میری دعا ہے، جہاں رہو، خوش رہو۔ اب تم خود فیصلہ کرلو کہ زیادہ سخی کون ہے؟ اور کیا میں واقعی کنجوس، بخیل اور لالچی ہوں؟''

اتنا کہہ کر باقر نے گھوڑے کا رُخ موڑا اور جدھر سے آیا تھا، اسی طرف چلا گیا۔

☆☆☆

HEEEEELLLLPPPPPPPPPPP!!!!

The sun is about to set and Momi & Auzi have lost their way to the House of Saniplast Junior. Come on friends, help them before it gets dark.
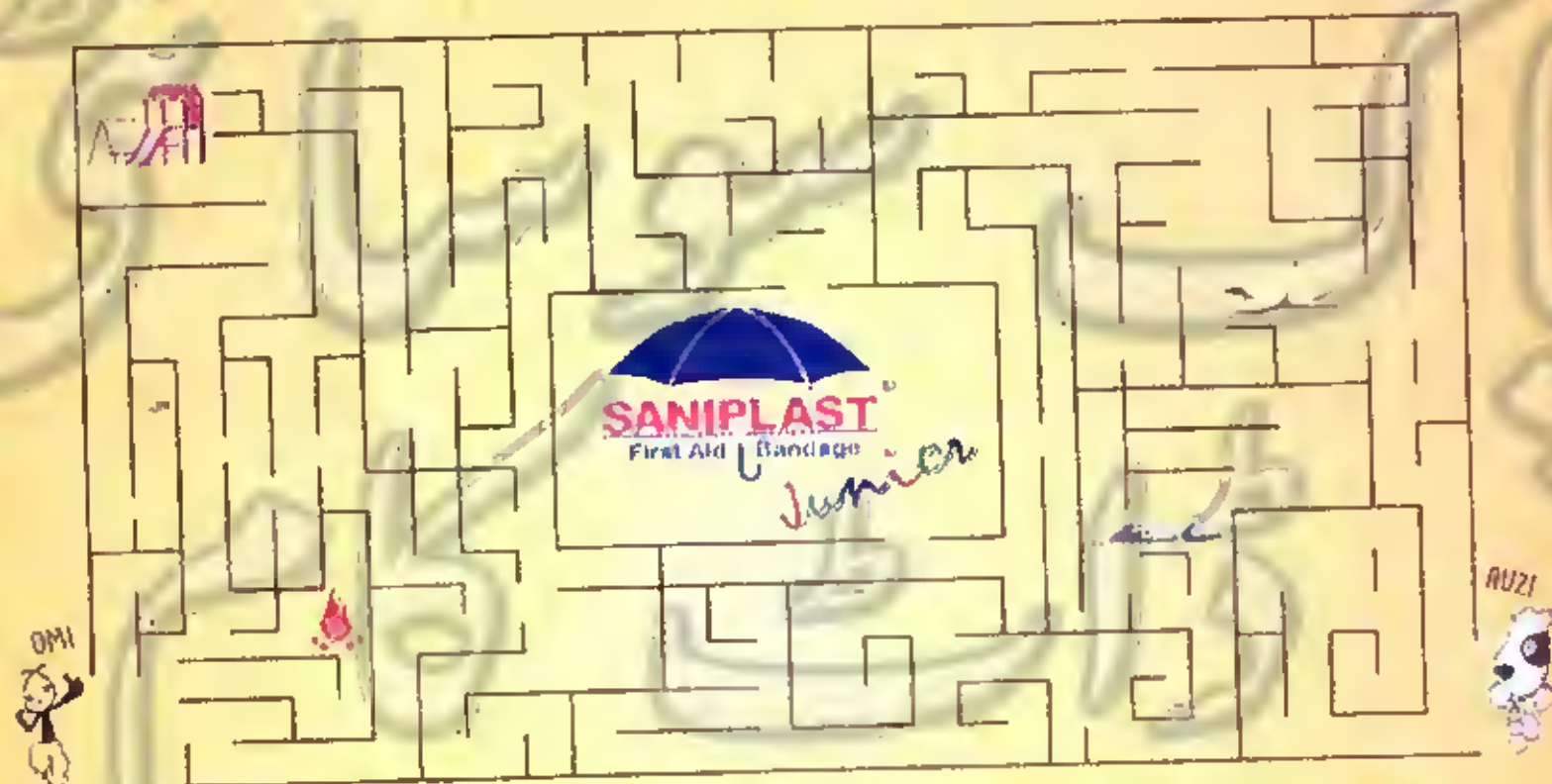
 saniplasthumeshapass

تلافی

جدون ادیب

وہ نوجوان چہرے سے کسی اچھے خاندان کا معلوم ہوتا تھا، مگر وہ بہت پریشان لگ رہا تھا۔ وہ اس وقت ایک کمپنی میں ملازمت کے سلسلے میں آیا ہوا تھا۔ کمپنی نئی تھی، اس لیے آسامی صرف ایک تھی، جب کہ درجن بھر اُمیدوار انتظار گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

نوجوان کا نام سکندر تھا، مگر اس کا مقدر خراب تھا۔ پچھلے دو سال سے وہ سرکاری اور غیر سرکاری ہر جگہ نوکری کی تلاش میں دھکے کھا رہا تھا، مگر اسے ہر جگہ سے ناکامی اور مایوسی کا منھ دیکھنا پڑا۔ اس کے پاس نہ سفارش تھی اور نہ رقم تھی۔ آج کے دور میں نوکری حاصل کرنے کے لیے یہ چیزیں زیادہ ضروری ہیں۔

وہ پریشان سوچوں میں اُلجھا ہوا تھا کہ اس کا نام پکارا گیا۔ اسے اپنے پیٹ میں مروڑ سا اُٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کے قریب پہنچا۔ چپراسی نے دروازہ کھولا تو وہ اندر داخل ہو گیا۔

میز کی دوسری طرف بیٹھے آدمی نے اپنے سامنے رکھی فائل سے توجہ ہٹائے بغیر بھاری لہجے میں کہا: ''سٹ ڈاؤن، مسٹر سکندر!''

سکندر خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ سامنے کرسی پر ایک بڑی کمپنی کا مالک بیٹھا تھا۔ اس کا نام ابرار تھا۔ اس نے تین سال پہلے اس کمپنی کی بنیاد رکھی تھی۔ محدود سرمایہ سے ایک دفتر میں بننے والی کمپنی اب ایک مکمل فلور پر قائم تھی۔

سکندر نے کچھ بے چینی سی محسوس کی تو وہ آہستہ سے کھنکھارا۔ اسی لمحے ابرار نے

سکندر کی طرف دیکھا۔ سکندر کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس نے سامنے بیٹھے ہوئے آدمی کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے، مگر کہاں؟ اسے یاد نہیں آیا۔

ابرار بھی سکندر کو دیکھ کر بری طرح چونکا۔ اسی لمحے سکندر نے غور سے ابرار کی طرف دیکھا۔ اب وہ سوچتی نظروں سے ابرار کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہم پہلے بھی کہیں مل چکے ہیں؟ مسٹر سکندر!''

سکندر نے جواب دیا: ''مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے، مگر کہاں! ذہن میں نہیں آ رہا۔''

ابرار ایک دم پریشان نظر آنے لگا۔ اس نے ایک نظر دروازے کی طرف دیکھا، پھر فائل پر جھک گیا، مگر حقیقت میں وہ بہت پریشان ہو گیا تھا۔

سکندر اب تک اُلجھی ہوئی نظروں سے ابرار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ابرار نے میز پر رکھا ہوا سیاہ چشمہ اُٹھا کر پہنا اور نرم لہجے میں کہا: ''میں نے آپ کی فائل دیکھ لی ہے۔ آپ میرے فون کا انتظار کریں۔''

سکندر کو ابرار کے لہجے میں کچھ قربت سی محسوس ہوئی۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منھ کھولا ہی تھا کہ وہ رُک گیا۔

اسے یاد آ گیا تھا کہ بہت سال پہلے اس نے ابرار کو کہاں دیکھا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا، مگر اسی لمحے ماں کا مہربان چہرہ اس کے سامنے آ گیا۔ وہ آہستہ سے اُٹھا اور باہر آ گیا۔

کمپنی کا مالک ابرار وہی لٹیرا تھا، جس نے دس برس پہلے اسپتال کے باہر سکندر سے اس کا پرس چھینا تھا۔ سکندر کو یقین ہو گیا کہ یہ وہی تھا، مگر ایک کمپنی کا مالک ہو کر اس نے یہ حرکت کیوں کی تھی! شاید نوجوانی میں بری صحبت میں رہ کر خراب ہو گیا ہو یا کسی مجبوری کی

وجہ سے اسے یہ کام کرنا پڑا ہو۔

سکندر نے بہت سی باتیں سوچ لیں۔ اگر اسے ابرار سڑک پر ملا ہوتا تو شاید وہ اسے گریبان سے پکڑ لیتا، مگر وہ ایک معزز روپ میں ملا۔ عین اسی وقت ماں کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آیا، جنھوں نے اسے درگزر، صبر اور محبت کا سبق گھول کر پلایا تھا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح آج بھی درگزر کا راستہ اختیار کیا تھا۔ سکندر نے سوچا کہ اس کا دو ہزار کا نقصان ہوا تھا، اسے رسوا کر کے وہ ہزار کا بدلہ لے سکتا تھا، مگر سکندر نے اپنے خیال میں ابرار کو وہ سزا دی تھی کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ سکندر مطمئن اور خوش تھا کہ اس نے اپنی ماں کی تربیت کی لاج رکھ لی تھی۔ اس نے بغیر معافی مانگے اپنے مجرم کو معاف کر دیا تھا۔

ابرار کی تربیت بھی ایک نیک ماں نے کی تھی، وہ شاید سکندر سے بھی زیادہ غریب اور مجبور تھا۔ اسے ایک ہزار روپے کی اشد ضرورت تھی۔ ماں کے علاج کے لیے وہ سب کچھ خرچ کر چکا تھا۔ اسے ہر صورت میں کچھ ادویات لینا تھیں۔ وہ اپنی ماں سے بہت محبت کرتا تھا۔ جب اسے کوئی راستہ نظر نہ آیا تو اس نے چوری کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ کرتے ہی اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ سکندر اسے ایک طرف کھڑا نظر آیا۔ سکندر نے اس وقت کسی ضرورت کے لیے پرس نکالا تو ابرار نے جھپٹا مار کر پرس چھینا اور اسپتال سے ملی ہوئی آبادی میں غائب ہو گیا۔ جب تک سکندر سنبھلتا، وہ گلیوں میں گم ہو چکا تھا۔ ابرار دوائیاں خرید کر اسپتال پہنچا تو اس کی ماں آخری سانسیں لے رہی تھی۔ وہ ابرار کو دعائیں دے کر اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔

ماں کے انتقال کے ایک ہفتے بعد ابرار میڈیکل اسٹور پہنچا۔ ماں کے انتقال کی

خبر سن کر اسٹور والے نے سامان لے کر پیسے واپس کر دیے۔ اس کے بعد ابرار نے سکندر کو بہت ڈھونڈا، مگر وہ نہیں ملا۔ آج برسوں بعد ملا تو ابرار کو جھٹکا سا لگا اور فوری طور پر وہ درست فیصلہ نہ کر سکا۔ بعد میں اسے خیال آیا تو وہ اپنے دفتر سے نکلا۔ تھوڑی دور سکندر جاتا ہوا نظر آیا۔ ابرار تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ سکندر رک گیا۔ ابرار نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا: ''میں تمھیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔''

سکندر نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا: ''مجھے پتا ہے تم کیا کہو گے۔ شاید تمھارا ضمیر اب تک زندہ ہے، لیکن میں تمھیں معاف کر چکا ہوں اور اپنا حق چھوڑ چکا ہوں۔ میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔''

''معافی کی مجھے کوئی ضرورت نہیں، بات کچھ اور ہے۔ میں تمھارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔'' ابرار نے دوبارہ اس کا بازو پکڑا اور اسے اپنی کار کے پاس لے آیا۔

چند لمحوں بعد دونوں کار میں بیٹھے تھے۔ چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔

''پہلے تم بتاؤ، اس دن کیا ہوا تھا، تم اسپتال میں کیوں موجود تھے؟'' ابرار نے سکندر کو چپ پایا تو پوچھا۔

''میں اسپتال میں اپنی والدہ کے طبی معائنے کے لیے آیا تھا۔ میرا پرس چلے جانے سے مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا، کیوں کہ امی نے واقعہ سن کر مجھے فوراً معاف کرنے اور صبر کرنے کی نصیحت کی تھی۔ ان کی کھانسی خود بخود ٹھیک ہوگئی۔ میں نے دوسرے دن پیسے کا بندوبست کر لیا، مگر ان کی طبیعت ٹھیک ہوگئی تھی۔''

سکندر چپ ہوا تو ابرار آہستہ سے بولا: ''مگر میری امی اس دن وفات پا گئیں۔

میں نے اپنی امی کے لیے زندگی میں پہلی بار ایسی حرکت کی تھی، مگر انھیں حرام راس نہیں آیا اور وہ ناجائز پیسوں کی دوا کے استعمال سے پہلے وفات پا گئیں۔"

"مجھے بہت افسوس ہوا۔" سکندر نے خلوص دل سے کہا: "اگر میں تمھارے ساتھ کوئی بدتمیزی کر بیٹھتا تو یہ جان کر خود کو کبھی معاف نہ کرتا۔ میں غریب ہوں، مگر میرا دل بہت بڑا ہے۔ تم مجھ سے کہتے، مانگ لیتے، میں تمھاری مدد کر دیتا۔ خیر! اب تو وہ وقت گزر چکا ہے۔"

ابرار مسکرایا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو مسلا اور کہا: "تمھارے پرس میں ایک پرائز بانڈ بھی تھا۔"

"اس پرائز بانڈ سے میرا کوئی دلی تعلق نہیں تھا۔ میں جس دکان پر کام کرتا تھا وہاں سے تنخواہ کے حساب میں ملا تھا۔ میرے لیے بس وہ روپے ہی اہم تھے۔"

"تم اپنے نقصان کا ازالہ چاہتے ہو، کوئی جرمانہ...... کوئی تاوان......؟"

"میں تمھیں معاف کر چکا ہوں۔ اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ تمھاری امی میری امی کی طرح تھیں، میں تم سے کچھ بھی وصول نہیں کروں گا۔"

"میں تمھارے سامنے دو نکتے رکھتا ہوں۔ ان میں کوئی ایک قبول کر لو۔"

سکندر نے چونک کر ابرار کی طرف دیکھا۔ ابرار نے کہا: "میرے پاس نقد پچاس لاکھ روپے ہیں۔ تم مجھ سے پچیس لاکھ نقد لے لو۔ دوسری بات یہ کہ تم میری کمپنی میں میرے پارٹنر بن جاؤ، یعنی آدھے شراکت دار۔"

سکندر حیرت سے ابرار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ابرار اتنی بڑی پیش کش کیوں کر رہا ہے۔

ابرار کہہ رہا تھا: ''تمھارے پرائز بانڈ سے دس لاکھ کا انعام نکلا تھا۔ میں آٹھ سال سے ایک بڑی کمپنی میں کام کر رہا تھا اور اس سارے معاملات کو سمجھتا تھا۔ میں نے اپنی الگ چھوٹی سی کمپنی بنالی، جس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب میں ایک دفتر بیرون ملک کھولنا چاہتا ہوں۔ اس آفس کی ذمے داری کی وجہ سے یہ کام نہیں کر سکا، لیکن اب کر سکتا ہوں۔ تمھاری سچائی نے مجھے بھی سچ بولنے پر مجبور کر دیا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ میں تمھیں دس لاکھ دے کر اپنا فرض پورا کر لوں گا، کیوں کہ یہ سارا پیسا میں نے اپنی محنت سے کمایا ہے، مگر پھر میں نے بھی اللہ توکل پر ساری سچائی اور ایمان داری ظاہر کر دی ہے۔''

سکندر چند لمحے تک ابرار کو دیکھتا رہا پھر بولا: ''میرے لیے تمھاری باتیں بہت حیرت انگیز ہیں۔ میں ان پر کوئی فوری فیصلہ نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی یہ مجھے کسی خواب کا سا منظر دکھائی دے رہا ہے، البتہ میں اپنی امی سے اس پر مشورہ کروں گا۔''

''ٹھیک ہے، چلو، ابھی امی سے ملتے ہیں، مجھے یقین ہے وہ کیا فیصلہ کریں گی۔ آج سے تم میرے دوست ہی نہیں، بلکہ بھائی ہو۔'' ابرار نے سکندر کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ سکندر نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ☆

نغمۂ وطن

سید سخاوت علی جوہر

ہم مسلمانوں کا یہ ایمان ہے
اس جہاں میں ہر کوئی مہمان ہے

اب کوئی خواہش نہیں اس کے سوا
اک سپاہی بننے کا ارمان ہے

میں ہوں پاکستان کا فوجی جواں
نعرۂ تکبیر میری آن ہے

ہم نے اپنے پیٹ سے باندھے تھے بم
ایسی جرأت پہ دنیا حیراں ہے

میں نے جب سے دیکھی ہیں جنگیں تری
وطن پہ جان و دل قربان ہے

رہتی دنیا تک وطن قائم رہے
سن لے یا رب! تو بڑا رحمان ہے

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

قرآن

مرسلہ : ارسلان اللہ خان، حیدر آباد

قرآن پاک اللہ کی آخری آسمانی کتاب ہے، جو اُس نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ قرآن پاک آخری آسمانی کتاب ہے اور نبی اکرم بھی اللہ کے آخری رسول ہیں۔ یہ قرآن پاک کی برکت ہے، جس کے نتیجے میں پیارے آقا نے ایک اَن پڑھ معاشرے کو تہذیب یافتہ بنا ڈالا۔ بقول حالی:

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

قرآن پاک ایک ایسی کتاب ہے جس میں دو طرح کے فائدے ہیں۔ اول یہ کہ اس کی تلاوت دل کے سکون کا ذریعہ اور قرب الٰہی کا بہترین وسیلہ ہے اور دوسری جانب اس کے مفہوم کو سمجھنے سے نہ صرف حکمت اور دانائی کے دروازے کھل جاتے ہیں، بلکہ اس پر عمل کر کے ہم ایک بہترین زندگی گزار سکتے ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

حکایت شیخ سعدی

مرسلہ : عبدالغنی، بہاول پور

دو دوست کہیں جا رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک جگہ کچھ لوگوں میں جھگڑا ہو رہا ہے۔ کچھ اپنے مخالفین پر ڈنڈے برسا رہے ہیں اور کچھ پتھر پھینک رہے ہیں، کچھ لوگ گالیاں دے رہے تھے۔ لڑائی کا یہ منظر دیکھ کر ایک دوست نے دوسرے دوست سے کہا: ''ہمیں ان کے درمیان صلح کروانی چاہیے۔''

دوسرے دوست نے کہا: ''یہ لوگ اس

وقت غصے میں ہیں، ہماری بات نہیں سنیں گے، لہٰذا ہمیں اس وقت ان کے معاملے میں مداخلت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

دوسرے دوست کی یہ بات دانائی اور معاملہ فہمی پر مبنی تھی، مگر پہلے دوست نے اس بات کو بزدلی خیال کیا اور اپنی بہادری اور دانش مندی کا ثبوت دیتے ہوئے ان جھگڑنے والوں کے درمیان گیا اور انھیں لڑائی سے روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس شخص کی کوشش اپنی جگہ، مگر وہ لوگ جو جھگڑ رہے تھے، وہ اس وقت اپنے ہوش کھو چکے تھے۔ انھوں نے اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ کچھ دیر بعد وہ مشتعل لوگوں نے اس کو مارنا شروع کر دیا اور مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا۔

بے رحم

تحریم خان، نارتھ کراچی

ایک ایسا واقعہ ہے، جسے سن کر روح کانپ اٹھی، مگر اس آدمی کے ہاتھ نہ کانپے۔ غریبوں کی ایک کچی بستی میں تین سال کا معصوم بچہ، جو ابھی ٹھیک طرح سے بول بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اس آدمی کے سامنے رحم طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا، جس کے ہاتھ میں ایک تیز دھار آلہ تھا۔ بچہ زور زور سے چیخنے لگا، لیکن اس آدمی پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ اس کی چیخوں سے آسمان تھرا گیا۔ بچے کو اس کے سگے باپ اور بھائی نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ ان دونوں کو بھی بچے پر ترس نہ آیا۔ بچے کی ماں دروازے کے پیچھے کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل لرز گیا، لیکن وہ مجبور تھی۔ وہ آدمی جس نے اپنے ہاتھ میں تیز دھار آلہ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا، بغیر کسی گھبراہٹ کے بچے کے بالکل قریب آ گیا۔ بچے کے باپ نے ذرا سا سرک کر اسے جگہ دی۔ بچے کی چیخوں میں اضافہ ہو گیا۔ بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے، لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس شخص کے ہاتھ پکڑ لیتا۔ کسی نے اس کے باپ اور بھائی سے نہیں پوچھا کہ بچے کے ساتھ زبردستی کیوں کر رہے ہو۔ ماں کا دل تڑپ رہا تھا اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ننھے بچے کو سب لوگوں کے سامنے گنجا کر دیا گیا۔

سردارِ عرب

مرسلہ : عروج ناصر، ناظم آباد

حاجب بن زادہ نامی ایک شخص فارس (ایران) کے بادشاہ نوشیرواں سے ملنے کے لیے پہنچا۔ اس نے دربان سے کہا: ''میں ایک اعرابی (عرب کا صحرا نشین بدو) ہوں اور بادشاہ سلامت سے ملنا چاہتا ہوں۔''

نوشیرواں کو مطلع کیا گیا۔ اس نے اعرابی کو طلب کر لیا اور اس سے پوچھا: ''تم کون ہو؟''

اس نے کہا: ''سردارِ عرب۔''

نوشیرواں کو حیرت ہوئی۔ اس نے کہا: ''دربان کے سامنے تو تم نے خود کو ایک اعرابی کہا تھا؟''

اس نے جواب دیا: ''بے شک میں عرب کا رہنے والا ہوں اور اس سے زیادہ میری کوئی خصوصیت نہیں تھی، لیکن آپ جیسے شہنشاہ نے مجھے گفتگو کے شرف سے نوازا ہے، اس لیے میرے رتبے میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اب میں خود کو سردارِ عرب کہوں تو غلط نہ ہوگا۔''

نوشیرواں نے اس کے حسنِ بیان سے متاثر ہو کر حکم دیا: ''اس کا منھ موتیوں سے بھر دیا جائے۔''

معلومات

مرسلہ : کلثوم نواز، ڈیرہ اسماعیل خان

☆ مچھلی کھانے سے یادداشت اور ذہانت میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆ سو سال سے زیادہ عمر پانے والوں میں ۸۰ فی صد شرح عورتوں کی ہوتی ہے۔

☆ سمندری جانور وہیل کی ایک قسم ''اورکا'' ہے، جس کا وزن آٹھ ٹن کے قریب ہوتا ہے۔ اتنے وزن کے باوجود یہ سمندر کی سطح سے پندرہ فیٹ اونچی چھلانگ لگا سکتی ہے۔

☆ زمین میں گردش کی بنا پر کسی بھی چیز کو مشرق کی نسبت مغرب میں زیادہ دور تک پھینکا جا سکتا ہے۔

☆ کیلے کا چھلکا لوگوں کو گرانے کے علاوہ دانتوں میں سفیدی لانے کے بھی کام آ سکتا ہے۔

سفید رنگت

مرسلہ : پرویز حسین، کراچی

کسی افریقی نے مرزا غالب سے پوچھا: ''مرزا صاحب! تمام افریقیوں کی رنگت ایک جیسی ہوتی ہے، لیکن مسلمان باشندے رنگ و روپ میں مختلف ہوتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟''

غالب نے جواب دیا: ''اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ تمام گھوڑے مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں، لیکن گدھے سارے ایک ہی رنگ کے ہوتے ہیں۔''

معلومات عامہ

مرسلہ : غلام یٰسین نوناری، مظفر گڑھ

☆ انسانی آنکھ میں تین جھلیاں ہوتی ہیں۔

☆ انسانی آنکھ کا وزن سات گرام ہوتا ہے۔

☆ ایک منٹ میں انسان ۱۵ سے ۱۸ مرتبہ سانس لیتا ہے۔

☆ خون میں ۹۱ فی صد پانی ہوتا ہے۔

☆ ہمارے دماغ میں ۹۵ فی صد پانی ہوتا ہے۔

☆ انسانی جسم میں ۲۰۶ ہڈیاں ہوتی ہیں۔

☆ انسانی جسم میں تقریباً ۲۵ لاکھ مسام ہوتے ہیں۔

عجیب ٹیکسی ڈرائیور

مرسلہ : سمیعہ توقیر، کراچی

دوسری عالمی جنگ کا زمانہ تھا۔ برطانوی وزیر اعظم چرچل نے ٹیکسی کرائے پر لی اور بی بی سی لندن سے تقریر کرنے کے لیے ریڈیو اسٹیشن پہنچے۔ وہاں پہنچ کر چرچل نے ڈرائیور سے کہا: ''اگر تم پندرہ منٹ تک انتظار کر سکو تو میں تمھاری ٹیکسی پر ہی واپس جاؤں گا۔''

ڈرائیور چرچل کی شکل و صورت سے ناواقف تھا۔ وہ بولا: ''لیکن مجھے تو چرچل کی تقریر سننی ہے۔''

چرچل نے خوش ہو کر کہا: ''لگتا ہے تمھیں اپنے لیڈر سے بہت پیار ہے، ٹھیک ہے تم جاؤ۔''

ٹیکسی ڈرائیور نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: ''چرچل جائے بھاڑ میں، آپ واپس آجائیے! میں آپ کا انتظار کروں گا۔'' ☆

آئینہ

مسعود احمد برکاتی

بہت زمانہ ہوا ایک پھیری والا کابلی پٹھان دھان کے کھیت میں سے ہو کر گزر رہا تھا۔ بے خیالی میں اس کا پیر ایک پتھر پر پڑ گیا اور وہ لڑکھڑا کر گر گیا۔ اس نے جھک کر نیچے پڑے ہوئے پتھر کو ہٹایا تو اس کے تھیلے میں سے ایک آئینہ نکل کر گر پڑا۔ کابلی پٹھان کو پتا بھی نہ چل سکا اور وہ آگے بڑھ گیا۔

دوسرے دن کھیت کا مالک آیا تو اسے اپنے کھیت میں آئینہ پڑا ہوا ملا۔ وہ بے چارہ سیدھا سادا کسان تھا، جو کبھی گاؤں سے باہر نہ گیا تھا۔ اس نے اُلٹ پلٹ کر آئینے کو دیکھا، مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ وہ اسے ہاتھ میں تھام کر حیرت سے گھورنے لگا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ آئینے میں اس کو اپنا عکس نظر آیا، مگر وہ کون تھا۔ وہ بڑا چکرایا۔ اس نے آئینے کو ہلایا جلایا، مگر اس کا ہم شکل اس کو برابر گھورتا رہا۔

''میرا خیال ہے کہ یہ میرے باپ کا چہرہ ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں کہا۔ اس کا باپ اس کے بچپن میں ہی مر گیا تھا۔ اسے اپنے باپ کی دھندلی سی صورت یاد تھی۔ پھر اس نے سوچا کہ ہو نہ ہو یہ میرا باپ ہے۔ پھر اس نے بڑے ادب سے آئینے میں اپنے عکس کو سلام کیا۔ آخر وہ اس کا باپ تھا۔

''میرے اچھا بابا! آسمان سے اُتر کر مجھ سے ملنے کے لیے آئے ہو اور اب یوں کھیت میں چھپ کر بیٹھے ہو، آؤ میں تمھیں اپنے ساتھ لے چلوں۔''

آئینہ ہاتھ میں لیے ہوئے وہ کھیت میں چل دیا۔ راستے بھر وہ اپنے باپ سے باتیں کرتا رہا اور اسے اپنے بیتے دنوں کی کہانی سناتا رہا۔ وہ اپنی ہی دھن میں بولنے لگا:

''دیکھو بابا! تمھارے مرنے کے بعد میں نے یہ سنہرا سنہرا دھان بونا شروع کیا تھا۔ دیکھو، اس دھوپ میں چمکتی ہوئی بالیاں کتنی اچھی لگ رہی ہیں۔ بس فصل اب تیاری پر ہے۔ بابا! تمھیں اپنا گھر دکھاؤں گا۔ کھیت کے اس پار میرا گھر ہے۔ تم تو ایک جھونپڑا بنا کر ہی سدھار گئے تھے۔ اب میں نے اس جھونپڑے کے برابر ایک اور جھونپڑا بنا لیا ہے۔ چلو، تم خود ہی دیکھ لو چل کر۔''

وہ سیدھا اپنے گھر آیا اور ادھر ادھر کوئی ایسی چیز ڈھونڈنے لگا، جہاں آئینہ سنبھال کر رکھ سکے، لیکن اس کے پاس نہ کوئی صندوق تھا نہ پٹاری۔ آخر جب اسے کچھ نہ ملا تو اس نے ایک خالی گھڑے میں آئینہ رکھ دیا اور واپس کھیت پر چلا گیا۔

سارا دن اس کا دھیان اسی آئینے میں لگا رہا۔ پھر تو یہ اس کا روز کا معمول ہو گیا۔ وہ کام پر جاتا اور تھوڑی دیر بعد گھر واپس آ کر کوٹھڑی میں جا کر آئینہ نکالتا اور اسے بڑی عقیدت سے دیکھتا اور پھر اسی جگہ رکھ کر واپس چلا جاتا۔ وہ کہتا تھا: ''بابا! دل تو نہیں چاہتا کہ میں تمھیں اکیلا چھوڑ دوں، لیکن کیا کروں مجبوری ہے۔ کام تو کرنا ہی ہے، ورنہ کھاؤں گا کہاں سے!''

اسی طرح دن گزرتے رہے۔ اس کی بیوی دن بھر باورچی خانے کے کام میں جتی رہتی تھی۔ اسے اس بات پر بڑا تعجب ہوتا تھا کہ اس کا شوہر بار بار کام چھوڑ کر گھر کیوں آتا تھا۔ اب وہ اس سے زیادہ بات بھی نہیں کرتا تھا اور خاموش سا رہتا تھا۔ وہ اپنے شوہر کی حالت پر بڑی پریشان تھی۔ وہ سوچتی: ''کتنا ہنس مکھ تھا وہ، ہمیشہ مجھ سے پوچھا کرتا تھا کہ مجھے کیا چاہیے۔ اس کا قہقہے لگانا اور چٹکلے سنانا کتنا اچھا لگتا تھا۔ اب تو وہ مجھ سے بولتا تک نہیں ہے۔ پتا نہیں کیا بات ہو گئی ہے جو وہ ایسی عجیب حرکتیں کر رہا ہے۔''

ایک دن جب اسے اپنے شوہر کے پیروں کی آہٹ سنائی دی تو وہ چپکے چپکے باورچی خانے سے نکل کر آئی اور چھپ کر دیکھنے لگی کہ وہ کیا کرتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ اس کے شوہر نے گھڑے میں سے کوئی چیز نکال کر اپنے ہونٹوں اور آنکھوں سے لگائی، اسے دیکھ کر وہ ہولے سے مسکرایا اور اسے پھر گھڑے میں رکھ دیا۔

جیسے ہی کسان باہر گیا۔ بیوی نے گھڑا کھولا۔ اندر آئینہ تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہے، مگر جب اسے اپنا ہی چہرہ نظر آیا تو وہ ہکا بکا رہ گئی۔ وہ دکھ بھری آواز میں بولی: ''اچھا تو یہ معاملہ ہے۔ انھوں نے دوسری شادی کر رکھی ہے، اس لیے وہ مجھ سے بات بھی نہیں کرتے۔ انھوں نے اپنی دوسری بیوی کو یہاں چھپا رکھا ہے اور اس سے باتیں کرتے ہیں۔ آنے دو آج انھیں بھی وہ سبق سکھاؤں گی کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔''

ایک جھاڑو ہاتھ میں لیے وہ شوہر کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔ جب اس کا شوہر دن بھر کے کام کے بعد تھکن سے چور اور بہت تھکا تھا، لیکن جیسے ہی اس نے قدم اندر رکھا اس کی بیوی جھاڑو لے کر دوڑی: ''مکار آدمی! یہ تُو نے کیا کیا؟ مجھے کیوں دھوکا دیا؟'' اور پھر آئینہ اس کی طرف اُچھال کر بولی: ''کون ہے یہ عورت جس سے تم نے شادی رچائی ہے؟''

اب کسان حیران پریشان اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں اپنی بیوی کی کوئی بات بھی نہیں آرہی تھی۔ وہ بڑی بے بسی سے بولا: ''یہ کیا کہہ رہی ہو تم! یہ تو میرے باپ ہیں۔ میرے پیارے بابا!'' اس نے جھک کر بڑی احتیاط سے آئینہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''کیا میں اندھی ہوں؟'' بیوی نے غصے سے آئینہ اس کے ہاتھ سے چھین لیا: ''اس عورت کو اپنا باپ بتاتے ہو؟''

کسان جلدی سے بولا: ''تمھارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا، لو خود دیکھ لو کہ پاگل

کون ہے؟''

''یہ تمھارے بابا بار کب سے پہننے لگے؟ کیا ایسے ہی لمبے لمبے بال ہیں تمھارے بابا کے؟'' بیوی مسلسل چیخ رہی تھی۔

لڑائی جھگڑے کی آواز سن کر محلے پڑوس والے بھاگے ہوئے آئے۔ ایک عورت بولی: ''یہ کیسا شور ہو رہا ہے؟ آج زندگی میں پہلی بار ہم نے تم دونوں میاں بیوی کی لڑنے جھگڑنے کی آوازیں سنی ہیں۔''

کسان کی بیوی نے آئینہ اس کے سامنے کر دیا اور بولی: ''خود دیکھ لو اس عورت کو! میرے میاں نے اس سے شادی کر لی ہے اور چھپا کر گھڑے میں رکھا ہوا ہے۔ مجھ سے بہانے بناتے ہیں کہ یہ میرے بابا ہیں۔''

پڑوسن نے اس کے کندھے پر جھک کر دیکھا تو اسے آئینے میں دو چہرے دکھائی دیے۔

''ارے یہ تمھارا ہی چہرہ ہے، لیکن یہ دوسری عورت کون ہے؟'' پڑوسن نے کہا۔

''کیا اول جلول بک رہی ہو تم!'' کسان نے آئینے میں دیکھا اور پھر وہ خود حیران رہ گیا اور ڈرتے ڈرتے بولا: ''دیکھو! دو نہیں اس میں تین چہرے ہیں۔'' اب تو وہ بھی حیران ہو گئے۔ وہ کبھی ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھتے اور کبھی اشتیاق سے آئینے میں جھانکنے لگتے۔

سارے پڑوسی انھیں گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ سب نے ایک ایک کر کے آئینہ دیکھا اور حیرت زدہ رہ گئے۔ بڑی عجیب و غریب چیز تھی۔ آخر کافی بحث کرنے اور ایک دوسرے کو سمجھانے بجھانے کے بعد جا کر ان کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ اس چیز میں کوئی اور نہیں، بلکہ دیکھنے والے کا عکس نظر آ رہا ہے۔ (مئی ۲۰۰۲ء کی ایک کہانی) ☆

مچھلی کا پیغام

ردا انور شہزاد

کسی بستی میں ایک ایمان دار مچھیرا علی رضا رہتا تھا۔ اس کا صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ وہ اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہا تھا۔ دونوں میاں بیوی کی خواہش تھی کہ اپنے بیٹے کو پڑھا لکھا کر بڑا آدمی بنائیں۔

مچھیرا ایک دن اپنی بیوی سے کہنے لگا: ''آج کل نہ جانے کیوں کم مچھلیاں جال میں پھنستی ہیں اور بعض مچھیروں کے پاس تو ایک بھی نہیں آ پاتی، جس کی وجہ سے ہم لوگ کافی پریشان ہیں۔''

بیوی بہت غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی، کہنے لگی: ''کوئی بات نہیں آپ پریشان نہ ہوں اس میں بھی اللہ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوگی۔ ویسے بھی جس کے نصیب میں جتنا رزق لکھا ہوتا ہے، وہ اسے مل کر ہی رہتا ہے۔'' مچھیرا سوچنے لگا کہ میری بیوی کتنی صابر و شاکر ہے۔

دوسرے دن علی رضا گھر لوٹا تو بیوی سے کہنے لگا: ''ہم سب دوستوں نے دریا کے دوسرے کنارے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ سنا ہے وہاں پر کافی تعداد میں مچھلیاں ہوتی ہیں۔ سب مچھیرے کل صبح پانچ بجے شکار کے لیے نکلیں گے۔ تم دعا کرنا کہ ہم کام یاب لوٹیں۔''

سب مچھیرے صبح ہی صبح روانہ ہو گئے۔ آہستہ آہستہ روشنی پھیلنے لگی اور دن نکل آیا۔ دن بڑا پُر لطف تھا اور بادل کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا۔ فضا بالکل صاف ستھری اور انتہائی خوش گوار تھی۔ دریا بالکل پُر سکون تھا۔ کئی مچھیرے جھوم جھوم کر گا نے گا رہے

تھے۔ کشتی بڑے سکون سے بہت دور تک جا پہنچی تھی۔ کشتی میں سوار اکثر لوگوں کو ہلکی ہلکی نیند آنے لگی، لیکن علی رضا دریا کے دونوں جانب حسین وجمیل ساحل کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر پانی میں ایک بڑی مچھلی پر پڑی جو اُچھل کر کشتی کے اندر آ گری تھی۔ اس نے جلدی سے مچھلی کو پکڑ لیا کہ کہیں وہ اُچھل کر دوبارہ دریا میں نہ جا گرے۔ مچھلی کو پکڑنے کے لیے علی رضا دوڑا تو کشتی ہچکولے کھانے لگی، جس کی وجہ سے باقی سب کی نیند اُڑ گئی اور وہ غور سے مچھلی کو دیکھنے لگے۔

ان میں سے ایک آدمی بولا: ''یہ مچھلی اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بھیجی ہے تو کیوں نہ ہم آگے کنارے پر اُتریں اور اسے بھون کر کھائیں۔ یہ اتنی بڑی ہے کہ ہم سب کا پیٹ بھر جائے گا۔'' سب کو اس کی بات پسند آئی۔ کشتی کا رُخ کنارے کی طرف موڑ دیا۔ سب لوگ کنارے پر اُتر کر گھنے درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوئے، تاکہ لکڑیاں اکٹھی کر کے مچھلی بھونیں۔

وہ لوگ گھنے درختوں کے جھنڈ میں پہنچے تو ایک خوف ناک منظر نے ان سب کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ ایک آدمی زمین پر بے جان پڑا تھا۔ اس کے قریب ایک تیز دھار چاقو بھی پڑا ہوا تھا۔ پاس ہی ایک دوسرا جوان آدمی بھی تھا، جس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور منھ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا، جس کی وجہ سے وہ بولنے اور چیخنے چلاّنے سے قاصر تھا۔ یہ خوف ناک منظر دیکھ کر سب کے اوپر دہشت طاری ہو گئی۔ علی رضا جلدی سے آگے بڑھا اور اس آدمی کی رسی کھول دی اور اس کے منھ سے کپڑا نکالا۔ وہ بہت ڈرا ہوا لگ رہا تھا اور نا اُمیدی کی کیفیت میں تھا۔ اس پھندے سے آزادی کے بعد وہ

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماےراحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

بولا: ''مہربانی کر کے مجھے تھوڑا پانی پلا دو۔''

علی رضا نے اسے جلدی سے پانی پلایا۔ جب وہ پانی پی چکا تو مرے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے خود ہی کہنے لگا: ''میں اور یہ آدمی دونوں ایک قافلے میں تھے جو کہ تجارت کے لیے ایک دور دراز علاقے کی طرف جا رہے تھے۔ یہ آدمی میرے ہی شہر کا تھا، وہ سمجھ گیا کہ میرے پاس کافی مال ہے۔ اس نے مجھ سے دوستی کر لی اور پیار محبت سے میرے آس پاس رہنے لگا۔ بہت ہی کم میرا ساتھ چھوڑتا۔ میرا بھی اس پر کافی اعتماد قائم ہو گیا تھا۔ قافلے نے ستانے کی غرض سے اس ساحل پر پڑاؤ ڈالا، رات کے آخری پہر قافلہ روانہ ہو گیا، لیکن میں اور یہ آدمی یہیں رہ گئے، کیوں کہ اس نے قافلے سے دور

لے جا کر کوئی شربت پلا دیا تھا جس سے مجھے نیند آ گئی۔ قافلے کی روانگی کے بعد اس نے میری نیند کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے مجھے رسی سے باندھ دیا اور اس نے میرے منھ میں کپڑا ٹھونس دیا کہ میں چیخ و پکار نہ کرسکوں۔ اس نے میرے پاس جو کچھ مال تھا وہ چھین لیا اور مجھے زمین پر پٹخ دیا۔ پھر مجھے قتل کرنے کے لیے میرے سینے پر بیٹھ کر کہنے لگا: ''اگر میں تجھے زندہ چھوڑ دوں اور کسی طرح تُو آزاد ہو جائے تو مجھے بدنام کرسکتا ہے، اس لیے تجھے قتل کرنا ضروری ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی کمر بند سے بندھی ہوئی یہ تیز دھار چھری کھینچنی چاہی، لیکن چھری کسی وجہ سے اٹک گئی تھی۔ اس نے بڑی کوشش کی جب ناکام ہو گیا تو اس نے پوری طاقت لگا کر چھری کمر بند سے کھینچی اس کی دھار اوپر کی طرف تھی، چھری اچانک زور سے نکلی اور کھال کے ساتھ شہ رگ کو کاٹتی ہوئی گردن میں پیوست ہو گئی۔ شہ رگ کے کٹتے ہی خون کا فوارہ جاری ہو گیا اور جب طاقت نے جواب دیا تو یہ مردہ حالت میں زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ یہ بدبخت میری آنکھوں کے سامنے اپنے انجام تک پہنچ گیا، لیکن اس کے باوجود مجھے اپنی موت کا یقین ہو چلا تھا، کیوں کہ ہم جس جگہ ہیں، بہت ہی کم لوگ یہاں سے گزرتے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کون میرے ہاتھ پاؤں کھولے گا؟ کون مجھے اس آفت سے نجات دلائے گا؟ پھر میں نے اللہ کو پکارنا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو میری طرف بھیج دیا اور میری جان بچ گئی۔ تم لوگوں کا اس طرف کیسے آنا ہوا؟''

علی رضا نے اسے بتانا شروع کیا: ''ایک مچھلی ہماری کشتی میں سمندر سے اُچھل کر آ گری تھی۔ ہم لوگ اس مچھلی کو بھوننے کی غرض سے اس جگہ پہنچے تھے۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

''تم لوگوں کا بہت شکریہ، لیکن میں اپنی خوشی سے آپ لوگوں کو کچھ دینا چاہتا ہوں۔ براہِ مہربانی انکار نہ کیجیے گا۔'' پھر وہ شخص اُٹھا اور اپنے سامان سے اشرفیوں کی تھیلیاں نکالنے لگا۔ اس نے ان سب دوستوں کو ایک ایک تھیلی بطور انعام دی۔ اس شخص نے خاص طور پر علی رضا کا شکریہ ادا کیا۔

وہ لوگ جب اس شخص کو ساتھ لے کر کشتی کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ مچھلی کشتی سے کود کر سمندر میں جا چکی تھی۔

☆☆☆

جب میں چھوٹا بچہ تھا

گلاب خان سولنگی

جب میں چھوٹا بچہ تھا — من کا کتنا سچا تھا
گھر سے دور اسکول سہی — خوشی خوشی میں جاتا تھا
علم سے ہر سُو ہوا اُجالا — جہل سے نفرت کرتا تھا
من میں بہت اُمیدیں تھیں — انھیں بھی پورا کرنا تھا
دشمن کو بھی پتا چلے — وطن کی خاطر لڑنا تھا
قلم کی طاقت کے آگے — دشمن کو تو ڈرنا تھا
مجھے ڈرا کر قلم جو چھینا — پھر بھی وقت وہ اپنا تھا
میں نے گزرے کل سے سیکھا — آج سبق جو دینا تھا
بچو! وقت کی قدر کرو — وقت رُکا ہے ، نہ رُکنا تھا

جب میں چھوٹا بچہ تھا
من کا کتنا سچا تھا

بلا عنوان انعامی کہانی

محمد ذوالقرنین خان

شہر سے دور چھوٹی بڑی پہاڑیوں کے دامن میں ایک گاؤں آباد تھا۔ اس گاؤں سے کافی فاصلے پر ایک اور پہاڑی موجود تھی، جہاں روز مغرب کے بعد اور صبح ہونے سے پہلے تیز روشنی ظاہر ہوتی۔ گاؤں کے بزرگوں نے وہاں کے لوگوں کو سختی سے منع کیا ہوا تھا کہ اس طرف کبھی نہ جائیں، کیوں کہ جو بھی اس طرف گیا وہ کبھی لوٹ کر نہیں آیا۔ سب نے ان کی بات بلا چوں و چرا مان لی۔

وقت گزرتا گیا اور بڑوں کی اس نصیحت پر عمل کو ضروری سمجھنے والے لوگوں کی تعداد کم ہوتی چلی گئی۔ تب ہی کچھ جوان اس روشنی کا سبب جاننے کے لیے اس پہاڑ کی

دوسری طرف گئے اور پھر نہ لوٹے۔ ان جوانوں کی تلاش میں جانے والے لوگ بھی غائب ہو گئے۔ اب تو گاؤں میں خوف پھیل گیا۔ بہت سوچ بچار کے بعد گاؤں کے بہت سارے مرد اکٹھے ہوئے اور ہتھیاروں سے لیس ہو کر اس طرف کو نکلے، مگر ان کا انجام بھی وہی ہوا۔ وہ سب لاپتا ہو گئے۔ گاؤں میں صرف بچے، عورتیں اور بوڑھے ہی رہ گئے تھے۔

اس گاؤں میں ایک لڑکا عبدالسلام رہتا تھا۔ اس کے والد اور بھائی بھی لاپتا ہونے والے افراد میں شامل تھے۔ اس کی ماں اور بہنیں ہر وقت روتی رہتیں۔ عبدالسلام سے ان کا رونا دیکھا نہیں جاتا تھا، مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ شب کوری کے مرض میں مبتلا تھا، جس کی وجہ سے اندھیرا چھاتے ہی اسے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔

گاؤں کی سونی گلیاں، ڈرے ہوئے غم زدہ لوگ، اُجڑتے ہوئے کھیت دیکھ کر وہ اداس ہو جاتا۔ اب وہاں کوئی مسکرانا تک نہیں تھا۔ ایک دن اس کے جی میں نہ جانے کیا سمائی کہ وہ اکیلا ہی اس پہاڑ کی طرف چل دیا اور سورج غروب ہونے سے بہت پہلے وہ اس پہاڑ کے قریب پہنچ گیا۔ ایک تنگ گھاٹی سے ہوتا ہوا اس پُراسرار وادی میں پہنچ گیا۔ اگلا منظر حیران کر دینے والا تھا۔ وہاں ہر طرف ہیرے اور موتیوں کے ڈھیر موجود تھے اور وہ سب لوگ جو غائب ہوئے تھے، وہ بھی وہیں تھے۔ عبدالسلام دوڑ کر اپنے والد کے پاس پہنچا، جو ایک طرف کھڑے تھے۔ ان سے لپٹنے کی کوشش میں اوندھے منھ زمین پر جا گرا۔ تب اسے معلوم ہوا یہ کوئی عجیب طرح کا جال تھا۔ وہ انھیں دیکھ بھی سکتا تھا اور ان کی باتیں بھی سن سکتا تھا، مگر چھو نہیں سکتا تھا اور وہ لوگ بھی اس سے بالکل بے خبر تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ پہلے آنے والے اپنے بعد والوں کو نہ دیکھ سکتے تھے نہ سن سکتے تھے، مگر جو بعد میں وادی میں داخل ہوتا وہ پہلے سے موجود لوگوں کو دیکھ بھی سکتا اور ان کی باتیں بھی سن سکتا تھا، صرف چھو نہیں سکتا تھا۔ سب لوگ ہیرے جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے اور ان لوگوں سے بے خبر تھے، جو ان کی تلاش میں وہاں پہنچے تھے۔ وہ سب اس ہجوم سے لاعلم تھے، جو گاؤں کے باقی تمام مردوں پر مشتمل تھا اور ان کے پاس ہی وہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

ان کی باتیں سن کر عبدالسلام نے ایک بات جان لی کہ ان سب کو وقت گزرنے کا کوئی احساس نہ تھا۔ ان سب کے لیے جیسے وقت وہیں ٹھہر گیا تھا۔ مہینوں گزر گئے تھے، مگر ان کا خیال تھا وہ آج ہی وہاں آئے ہیں۔

عبدالسلام نے اس وادی کا چپّا چپّا دیکھ لیا تھا۔ سوائے اس ایک چھوٹی پہاڑی کے جس کے چاروں طرف سے عجیب و غریب خاردار جھاڑیوں نے یوں گھیر رکھا تھا کہ اوپر جانے کے لیے کوئی جگہ نہیں بچی تھی۔ ایک دن وہ ایک ذرا اونچی جگہ پر کھڑا تھا کہ اسے اس پہاڑی پر کوئی چیز چمکتی دکھائی دی۔ اس نے سوچا کیوں نہ اوپر جا کر دیکھا جائے، شاید اس طلسمی جال سے اپنے گاؤں والوں کو نکالنے کا کوئی راستہ مل جائے۔ اسے جو کچھ کرنا تھا خود ہی کرنا تھا۔ گاؤں سے اسے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ ایک تیز دھار پتھر کی مدد سے اس نے جھاڑیاں کاٹنی شروع کیں۔ شام تک اس کے ہاتھ لہولہان ہو گئے تھے، مگر اس نے ہمت نہیں ہاری۔ سورج غروب ہونے سے پہلے وہ کافی راستہ بنا چکا تھا۔ اپنے شب کوری کے مرض کی وجہ سے اندھیرا ہونے سے پہلے اسے کام بند کرنا پڑا۔ وہ آبشار کے قریب سیبوں کے ایک درخت کے نیچے جا بیٹھا۔

اگلی صبح جب وہ جھاڑیاں کاٹنے کے لیے پہاڑی کے قریب پہنچا تو یہ دیکھ کر اس پر سکتہ طاری ہو گیا کہ کٹی ہوئی جھاڑیاں دوبارہ اپنی جگہ اُگ آئی تھیں۔ نہ وہ راستہ موجود تھا جو اس نے بہت مشقت سے بنایا تھا۔ تب اس پر اس وادی کا راز کھلا اور جسم میں ایک سنسناہٹ دوڑ گئی۔ یہاں وقت خود کو دہرا رہا تھا۔ پھر کسی خیال سے اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا جہاں اب بھی خراشیں موجود تھیں۔ یعنی اس کا جسم اور اس کی یادداشت اس اثر سے محفوظ ہے۔ وقت آگے بڑھتے بڑھتے اچانک پلٹ جاتا اور سب کچھ پہلے جیسا ہو جاتا۔ وہاں موجود لوگوں کی یادداشت مٹ جاتی اور انھیں لگتا جیسے وہ ابھی وہاں پہنچے ہیں۔ عبدالسلام اس تیز روشنی کو اپنے مرض کی وجہ سے نہیں دیکھ پایا تھا، اس لیے وہ محفوظ تھا۔

اس وقت وہ تیزی سے جھاڑیاں کاٹ رہا تھا۔ اسے مغرب سے پہلے اوپر جانے کے لیے راستہ بنانا تھا۔ نقاہت کے باوجود اس نے مغرب سے کچھ پہلے اوپر جانے کے لیے راستہ بنالیا اور تمام خوف اور ڈر کو بھول کر جتنا اوپر جا سکتا تھا وہ چڑھتا چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر جنگلی بیروں کے ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گیا۔ اندھیرا چھاتے ہی آہستہ آہستہ اس کی بینائی کم ہوتی چلی گئی اور وہ دیکھنے کے قابل نہ رہا۔ بھوک لگی تو اس نے خوب پیٹ بھر کر بیر کھائے۔ پوری رات اس نے جاگ کر گزار دی۔ صبح کے قریب وہ بے چینی سے بینائی واپس آنے کا انتظار کرنے لگا، تاکہ اس پُراسرار پہاڑی پر گھوم پھر کر اس چمکتی شے کو تلاش کر سکے۔ اس کا دل کہتا تھا اس وادی میں جو کچھ ہو رہا تھا ضرور اس کا کوئی تعلق اس پہاڑی پر چمکتی چیز سے ہے۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھوں کی بینائی لوٹ آئی۔ وہ بڑی مشکل سے اُٹھا اور پہاڑی کا معائنہ کرنے نکل کھڑا ہوا۔ وہاں سنگِ مرمر کی بڑی سی چمک دار تختی کے علاوہ کوئی اہم چیز اسے نظر نہ آئی۔ پورا دن اس نے تختی کے پاس گزار دیا۔ اس نے تختی کو ہلانے کی کوشش کی، مگر اسے ہلا نہیں پایا۔ شام تک جب کچھ نہ ہوا تو وہ مایوس ہو کر قریب موجود ایک درخت کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ اب واپس بھی نہیں جا سکتا تھا، کیوں کہ جھاڑیاں دوبارہ اپنی جگہ پکڑ چکی تھیں۔ رات کو جب اس کی بینائی کم ہو رہی تھی، غصے میں اس نے بڑا سا ایک پتھر اُٹھایا اور پوری قوت سے اس تختی پر دے مارا۔ کم زوری کی وجہ سے اس کی حالت خراب ہو گئی تھی، لیکن تختی ٹوٹ چکی تھی۔ تختی کے نیچے ایک چھوٹی سی سرنگ تھی، جہاں سے روشنی نکلتی تھی اور وقت لوٹ جاتا تھا۔ تختی ہٹتے ہی روشنی کی شعاعیں اس میں داخل ہو کر غائب ہو گئیں۔ تھما ہوا وقت بھی جاری ہو گیا۔ رات بھر وہ وہیں

بے ہوش پڑا رہا۔ طلسم ختم ہوتے ہی بستی کے سب لوگ ہیرے اور قیمتی پتھر لے کر واپس لوٹ آئے تھے۔ وہ یہ جان کر حیران رہ گئے کہ وہ سب ایک دن بعد نہیں، بلکہ کئی مہینوں بعد واپس آئے تھے۔ سب حیران تھے کہ یہ سب کیسے ممکن ہوا؟ وہ طلسم کیسے ٹوٹا۔ وہ پُراسرار روشنی بھی اب غائب ہو چکی تھی۔

جب عبدالسلام کے بھائی اور والد کو معلوم ہوا کہ وہ بھی ان کے پیچھے گیا تھا، مگر لوٹ کر نہیں آیا تو وہ بہت فکر مند ہوئے۔ بستی کے لوگ ایک مرتبہ پھر اس طرف چل دیے۔ سب جگہ اسے تلاش کیا گیا، مگر وہ کہیں نہ ملا۔ سب کا خیال تھا وہ اس طرف آیا ہی نہیں، بلکہ راستہ بھٹک کر کسی اور سمت نکل گیا ہوگا۔ آخر عبدالسلام کے بھائی اور والد نے پہاڑی کے گرد عجیب و غریب جھاڑیاں کاٹ کر دیکھا تو سامنے کچھ بلندی پر وہ بیر کے ایک درخت کے قریب اوندھے منھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے سامنے صرف ایک پتھر کی بڑی تختی ٹوٹی ہوئی حالت میں موجود تھی۔ سرنگ موجود نہیں تھی۔ ☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۱۰۱ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- فروری ۲۰۱۷ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

بدی کا جواب

مہ جبیں تاج ارزانی

ننھا چوہا اپنے دوست منے چوہے کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔ جب دونوں کی رازدارانہ باتیں مکمل ہوگئیں تو انھوں نے اپنے اگلے دو لمبے دانتوں والے منھ کھولے اور زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے اگلے پنجے آپس میں تالی کے انداز میں مارے۔

گلگلے اونٹ کے امی، ابو اکرم اونٹ والے کے گھر کے صحن میں بندھے جگالی کر رہے تھے، مگر کچھ دنوں سے ننھے چوہے کی شرارتوں نے ان کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ گلگلے اونٹ کے امی، ابو اکرم اونٹ والے کے پالتو تھے۔ اکرم اونٹ والا انھیں صبح سویرے ساحل سمندر پر لے جاتا تھا، جہاں وہ دونوں سمندر کنارے پکنک منانے کے لیے آنے والے بچوں کو ساحل کی سیر کرواتے تھے۔ گلگلا چونکہ ابھی چھوٹا تھا، اس لیے وہ گھر پر ہی بندھا رہتا تھا۔ جس جگہ اکرم اونٹ والا انھیں باندھتا تھا، وہاں قریب ہی ننھے چوہے کا بل تھا۔ ننھے چوہے کا اونٹوں کے تھان کے پاس سے آنا جانا لگا رہتا تھا۔ کبھی ننھا بسکٹ کا ٹکڑا اُٹھائے نظر آتا تو کبھی روٹی کا۔ حد تو یہ کہ ایک دفعہ اسے کپڑے کی کترن کے ساتھ بھی بل میں گھستے دیکھا گیا۔

ایک دن گلگلا بیٹھا تھا کہ اچانک اس کی نظر ننھے پر پڑی۔ ننھا کسی پھل کا ٹکڑا گھسیٹ کر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ گلگلے نے ننھے کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا اس لیے اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ چھوٹی سی، کالی سی، اِدھر سے اُدھر دوڑتی، تیزی سے حرکت کرتی چیز ہے کیا؟ اس نے جھٹ اپنی لمبی گردن آگے بڑھائی اور ننھے کو اپنے بڑے سے منھ میں رکھ لیا۔

ننھا چوہا بے حد گھبرا گیا۔ گلگلے کا منھ اسے ایک بڑے غار کی طرح لگا۔ اس کی موٹی سی زبان پر ننھا خوب اُچھلا۔ جبڑوں پر ٹکر ماری، دھکے دیے اور آخر میں اپنے اگلے دو لمبے دانتوں سے کاٹ بھی لیا۔ ادھر منھ کے اندر ہونے والی ہلچل سے گھبرا کر گلگلے نے ننھے کو باہر اُگل دیا۔ ننھے نے باہر آتے ہی دوڑ لگا دی اور گلگلے کی پہنچ سے دور ہو کر ایک طرف ڈھے گیا۔ وہ کچھ دیر تو زمین پر پڑا گہری گہری سانس لیتا رہا۔ پھر اس نے اُٹھ کر اپنی باریک سی آواز میں چی...... چی...... چی...... چی...... کر کے ایسا واویلا کیا کہ اس کے بل سے چوہیا اور اس کے دونوں بچے جھانکنے لگے۔ گلگلے کو دیکھ کر چوہیا اپنے بچوں سمیت بل کے اندر غائب ہو گئی۔ کچھ دیر بعد گلگلے کی آنکھیں پھٹ گئیں، کیوں کہ چوہیا نے زمین کھود کھود کر بل کا دوسرا راستہ بھی بنا لیا تھا اور اب گلگلے سے دور اپنے بچوں کے ساتھ کھڑی تھی۔

اس روز جب گلگلے کے ابو گھر آئے تو گلگا کھڑا ہوا تھا اور اس کی دُم کا ایک حصہ سُوجا ہوا تھا۔ دراصل ننھے نے گلگلے سے بدلہ لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ گلگا جب بیٹھتا وہ اپنے اگلے دو دانتوں سے دُم پر زور سے کاٹتا۔ گلگا پریشان ہو گیا۔ ایک مرتبہ اس نے زور سے پچھلی ٹانگ ماری، مگر ننھا بے حد پھرتیلا ثابت ہوا۔ گلگا کھڑے کھڑے بے حد تھک گیا تھا، اس لیے آس پاس ننھے کو نہ پا کر بیٹھ گیا، مگر اس بار تو ننھے نے اتنی زور سے دانت دُم میں گاڑے کہ اس کی چیخ نکل گئی اور آنکھوں میں آنسو آ گئے، مگر ننھے کا غصہ پھر بھی ٹھنڈا نہ ہوا۔

اب شام ہو رہی تھی۔ اکرم اونٹ والے کی واپسی کا وقت تھا۔ امی ابو کے آنے کے بعد گلگلے نے رو رو کر ساری بات بتائی۔ وہ تو بیٹھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہو رہا تھا۔ جب اس کے ابو نے کہا: ''میں تمھارے پیچھے بیٹھ کر دیکھ رہا ہوں تم ڈرو نہیں۔'' تو اس کو تسلی ہوئی۔ وہ

بیٹھتے ہی سو گیا۔ صبح سویرے گلگلے کو اس کے امی ابو نے سمجھایا کہ کسی جان دار کو منھ میں نہیں لینا، بلکہ کسی بھی طرح کسی کو تنگ کرنا اچھی بات نہیں۔ ان باتوں کے دوران ان تینوں نے ننھے کو ایک سفید رنگ کی تھیلی گھسیٹ کر اپنے بل میں لے جاتے دیکھا۔ وہ تھیلی اتنی بڑی تھی کہ اس کے بل کے اندر نہیں جا پا رہی تھی، اس لیے اس نے اسے وہیں درخت کی آڑ میں چھپا دیا۔ اکرم اونٹ والے نے ان تینوں کا چارا لا کر رکھا۔ دوسرے دن اکرم اونٹ والا گلگلے کی امی ابو کو لے کر چلا گیا۔ ادھر گلگلا ڈر رہا تھا کہ کہیں آج پھر ننھا اس کی دم کے پیچھے نہ پڑ جائے، مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ کچھ دیر تو ننھے کو آتے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر آرام سے سو گیا۔ گلگلا جب سو کر اٹھا تو اکرم اونٹ والے کی بیوی دوپہر کے لیے چارے کا برتن بھر رہی تھی۔ آج اس نے جیسے ہی چارہ میں منھ ڈالا تو آخ تھو! کر کے تھوک دیا۔ اس نے ایسا چارا پہلے کبھی نہ کھایا تھا۔ اس کا ذائقہ بے حد کڑوا تھا۔ اس نے اپنا منھ صاف کیا اور پھر پانی پی لیا۔ سارا دن بھوکا بیٹھا رہا۔ شام کو جب گلگلے کے والدین واپس آئے تو بھوک سے نڈھال گلگلے کو دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ ارے! تم نے چارا نہیں کھایا؟ امی نے چارے کا برتن بھرا ہوا دیکھ کر اس سے پوچھا۔ امی! اس کا ذائقہ اتنا خراب ہے کہ مجھ سے کھایا ہی نہیں گیا۔ نڈھال سے لہجے میں بتایا۔ ابو نے تھوڑا سا چارا چکھا تو سمجھ گئے کہ اس میں بے تحاشا نمک شامل کیا گیا ہے۔ ان کی نظر دور کھڑے ننھے پر پڑی۔ جو آج اپنے دوست منے کے ساتھ کھڑا تھا۔ دونوں دوست ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ یقیناً ننھا کہیں سے نمک کی تھیلی لایا تھا اور اس نے وہ پورا نمک اپنے دوست منے کی مدد سے گلگلے کے چارے میں ملا دیا تھا۔ گلگلے کے امی ابو نے فکر مندی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھ گئے کہ ننھا چوہا

اتنی آسانی سے گلگلے کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس دشمنی کو ختم کرنا ضروری تھا اور ننھے سے دوستی کرنا بے حد ضروری تھا۔ اگلے دن ساحل پر جانے کے لیے نکلتے ہوئے اس کے امی ابو بے حد فکر مند تھے کہ نہ جانے ننھا چوہا ان کی غیر موجودگی میں گلگلے کے ساتھ کیسا سلوک کرے، مگر جانا بھی بے حد ضروری تھا۔ ساحل سمندر پر انسانوں کے ننھے منے پیارے پیارے بچوں کو سیر کرواتے ہوئے انھیں اپنے گلگلے کی فکر ستاتی رہی۔

اگلے دن تینوں پریشان اور فکر مند بیٹھے تھے کہ درخت پر سے کوئی چیز اُڑتی ہوئی آئی اور ان کے درمیان میں گری۔ وہ تینوں خوف زدہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور درخت کی طرف دیکھنے لگے۔ ہوا کے ساتھ کوئی چیز اُڑتی ہوئی آئی اور ان کی آنکھیں جلنے لگیں۔ گلگلا چونکہ بچہ تھا، اس لیے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اس کے امی ابو نے جلدی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ پسی ہوئی مرچیں ہیں، جو انسان اپنے کھانوں میں ڈالتے ہیں۔ یہ مرچیں ننھے نے درخت پر چڑھ کر ان کی طرف اُڑائی تھی۔ جب تک اس کے ابو نے اسے آنکھیں بند رکھنے کی تاکید کی، وہ کئی مرتبہ آنکھیں جھپکا چکا تھا۔ اب اس کی آنکھوں میں سخت جلن ہو رہی تھی اور وہ چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ ابو گلگلے کو پانی کے برتن تک لے گئے۔ گلگلے! سر اندر ڈالو۔ پانی میں کئی بار آنکھیں کھولو اور بند کرو۔ شاباش! کچھ دیر بعد گلگلے کو سکون آیا تو اس نے اپنا سر پانی سے باہر نکال لیا۔ ساری رات ان تینوں نے جاگ کر گزاری۔

صبح اکرم اونٹ والا ابو کی رسی کھول کر کچھ لینے اندر چلا گیا۔ گلگلے کے ابو کی نظریں ننھے کے بل کی طرف تھیں۔ اس کا چھوٹا سا بچہ بل کے باہر کھیل رہا تھا کہ اچانک بچہ زور

سے چیخا۔ اس کی خوف زدہ آواز سن کر ننھا بل سے باہر آیا۔ اوپر اُڑتی ہوئی ایک چیل نے ننھے کے بچے کو اکیلا دیکھا تو بچے پر جھپٹی۔ گلگلے کے ابو یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ ان کی لمبی سی گردن والا منھ چیل سے ٹکرایا۔ چیل نے گھبراہٹ میں ننھے کے بچے کو چھوڑ دیا۔ وہ زمین پر گرا۔ اسے کچھ چوٹ تو ضرور آئی، مگر وہ زندہ بچ گیا تھا اور خیریت سے تھا۔ ننھا چوہا حیرت سے گلگلے کے ابو کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شرمندگی کے ساتھ ساتھ آنسو بھی تھے۔ گلگلے کے ابو نے مسکرا کر ننھے کی طرف دیکھا تو ننھے نے شرمندہ ہو کر نظریں جھکا لیں۔ وہ جانتے تھے کہ اب ننھا چوہا ان کے گلگلے کو تنگ نہیں کرے گا اور گلگلے کے دل میں موجود چوہے کا خوف بھی کچھ دنوں میں ختم ہو جائے گا۔

☆☆☆

تحریر بھیجنے والے نونہال یاد رکھیں

☆ اپنی کہانی یا مضمون صاف صاف لکھیں اور اس کے پہلے صفحے پر اپنا نام اور اپنے شہر یا گاؤں کا نام بھی صاف لکھیں۔ تحریر کے آخر میں اپنا نام پورا پتا اور فون نمبر بھی لکھیں۔ تحریر کے ہر صفحے پر نمبر بھی ضرور لکھا کریں۔

☆ بہت سے نونہال معلومات افزا اور باعنوان کہانی کے کوپن ایک ہی صفحے پر چپکا دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا ایک کوپن ضائع ہو جاتا ہے۔

☆ معلومات افزا کے صرف جوابات لکھا کریں۔ پورے سوالات لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ☆

طالب علموں کے لیے خوش خبری

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے شہید حکیم محمد سعید میموریل اسکالر شپ کی پالیسی میں بڑی تبدیلی کر دی ہے۔ یہ اسکالر شپ سنہ ۲۰۱۲ تک کراچی، لاہور، پشاور اور کئی بورڈز آف ایجوکیشن سے میٹرک پاس اور انٹر پاس طلبا و طالبات کو دی جاتی تھی۔

☆ اب شہید حکیم محمد سعید میموریل اسکالر شپ کے لیے پاکستان کے کسی بھی گورنمنٹ ایجوکیشن بورڈ سے میٹرک پاس اور انٹر پاس، طلبا و طالبات بھی درخواست دے سکتے ہیں۔

☆ جنھوں نے سنہ ۲۰۱۶ء میں میٹرک کا امتحان ۸۰ فی صد سے زیادہ نمبر لے کر پاس کیا ہے اور کسی کالج میں فرسٹ ایئر میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں یا جنھوں نے سنہ ۲۰۱۶ء میں انٹر کا امتحان ۷۵ فی صد سے زیادہ نمبر حاصل کر کے پاس کیا ہے اور کسی کالج یا یونی ورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

☆ شہید حکیم محمد سعید میموریل اسکالر شپ MERIT CUM NEED کی بنیاد پر منظور کی جاتی ہے۔

☆ اسکالر شپ کے لیے منتخب میٹرک پاس طلبا کو فی کس ۲۵۰۰۰ ہزار روپے نقد اور انٹر پاس طلبا کو فی کس ۵۰۰۰۰ ہزار روپے نقد دیے جائیں گے۔

☆ اسکالر شپ کے لیے درخواست فارم حاصل کرنے کا طریقہ

اسکالر شپ کے لیے سادے کاغذ پر درخواست بھیجیں، جس میں مندرجہ ذیل کوائف تحریر کریں:

☆ ۲۰۱۶ء میں میٹرک / انٹر کے امتحان میں حاصل کیے گئے نمبر اور % (مارکس شیٹ منسلک کریں)۔

☆ والد / سرپرست کی ماہانہ آمدنی و افرادِ خانہ کی تعداد تحریر کریں۔

☆ ماہ نامہ ہمدرد نونہال کوپن برائے شہید حکیم محمد سعید میموریل اسکالرشپ پُر کر کے درخواست کے ساتھ منسلک کریں۔ درخواست وصول ہونے کے بعد درخواست گزار کو اسکالرشپ فارم ارسال کیا جائے گا۔ درخواست مندرجہ ذیل پتے پر ۱۵ فروری تک ارسال کریں۔

ڈپٹی ڈائریکٹر ایچ آر اینڈ ایڈمن

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان

ناظم آباد نمبر ۳، کراچی

فون نمبر : 0213-6616001

ایکسٹینشن نمبر : 3057

اسکالرشپ کے لیے درخواست کے ساتھ اس کوپن کا منسلک ہونا ضروری ہے۔

ماہ نامہ ہمدرد نونہال کوپن برائے شہید حکیم محمد سعید میموریل اسکالرشپ

نام : ....

پتا : ....

کالج / یونی ورسٹی : ....

دستخط طالب علم : ....

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۵ - فروری ۲۰۱۷ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن ایک ہی طالب علم کے لیے ہے۔ کوپن کو کاٹ کر سادہ کاغذ پر درمیان میں چپکا دیجیے۔

خوش ذوق نونہالوں کے پسندیدہ اشعار

بیت بازی

کون گہرائی میں جانے کا تکلف کرتا
خشک باتیں ہیں نصابوں کی کتابوں جیسی

شاعر: [illegible] نیازی پسند: ماورا اصغر، [illegible]

[illegible] آئے تھے خواب آنکھوں میں
پھر اس کے بعد مسلسل عذاب آنکھوں میں

شاعر: افتخار عارف پسند: محمد منیر نواز، ناظم آباد

محبت ، عداوت ، وفا ، بے رخی
کرائے کے گھر تھے ، بدلتے رہے

شاعر: بشیر بدر پسند: فرحین، اسلام آباد

جی رہا ہوں اس اعتماد کے ساتھ
زندگی کو مری ضرورت ہے

شاعر: قابل اجمیری پسند: عبدالجبار رومی انصاری، لاہور

ڈالے گئے اس واسطے پتھر مرے آگے
ٹھوکر سے اگر ہوش سنبھل جائے تو اچھا

شاعر: مرتضیٰ برلاس پسند: آصف بوزدار، میرپور ماتھیلو

ایک نوالے کے لیے تو نے جسے مار دیا
وہ پرندہ کئی روز کا بھوکا تھا

شاعر: منور رانا پسند: محمد عمر بن عبدالرشید، کراچی

ثبوت برق کی غارت گری کا کس سے ملے
کہ آشیاں تھا جہاں اب وہاں دھواں بھی نہیں

شاعر: انجم حمید پسند: سید ذال علی ہاشمی، کورنگی

یہ اور بات کہ لوٹے گئے سر منزل
ہوئے ہیں راہِ سفر میں تو کامراں ہم لوگ

شاعر: صدف اقبال پسند: ڈاکٹر ذکی شان، ملیر

نفرتوں کا بھی کچھ حساب نہ تھا
ہم نے الفت بھی بے پناہ کی ہے

شاعر: فیروز خسرو پسند: عاطفہ خان جدون، ایبٹ آباد

سفر کا خاتمہ ہوتا نہیں کبھی اپنا
ہر اک پڑاؤ سے اک ابتدا نکلتی ہے

شاعر: ناشر نقوی پسند: علی حیدر لاشاری، [illegible]

پھول پر شبنم کا منظر جب کبھی یاد آ گیا
ہم وہاں روئے جہاں پر مسکرانا چاہیے

شاعر: [illegible] پسند: حسام عامر، کراچی

میان گفتگو اب جو خلا محسوس ہوتا ہے
تب اک بوجھ سا دل پہ بھرا محسوس ہوتا ہے

شاعر: خالد معین پسند: ابن کمال، اسلام آباد

دل کی لو سے ہوئیں کتنی امیدیں روشن
ہم تو سمجھے تھے یہ ننھا سا دیا کچھ بھی نہیں

شاعر: اختر عالم پسند: انعم سبحان، کراچی

عجب طرح سے سوچا ہے زندگی کے لیے
کہ زخم زخم میں کھلتا ہوں ہر خوشی کے لیے

شاعر: سعد اللہ شاہ پسند: روبینہ، [illegible]

مچھلیوں کی دنیا

نسرین شاہین

مچھلیاں قدرت کی حسین مخلوق ہیں، جو دنیا میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔ سمندروں، دریاؤں، جھیلوں، تالابوں اور چشموں میں لاتعداد مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ سائنس داں مچھلیوں کی اب تک اکیس ہزار سے زائد قسمیں دریافت کر چکے ہیں۔ انھوں نے ان مچھلیوں کی بناوٹ اور ان کی خصوصیات کے مطابق ان کے الگ الگ نام بھی رکھے ہیں۔

سمندروں اور دریاؤں کی دنیا بہت وسیع ہے۔ مچھلیوں کی بعض قسمیں گہرے پانیوں میں رہتی ہیں اور کچھ کم گہرے پانی میں ہوتی ہیں۔ کچھ ساحل کے نزدیک رہتی ہیں تو بعض کھلے سمندر میں موجود ہوتی ہیں۔ کچھ مچھلیوں کے لیے ٹھنڈا پانی مناسب ہوتا ہے تو کچھ مچھلیاں گرم پانی میں پائی جاتی ہیں۔ مچھلی کے خون کا درجۂ حرارت عام طور پر پانی کے درجۂ حرارت کے برابر یا پھر اس سے کم ہوتا ہے، جس میں وہ رہتی ہیں۔

طرح طرح کے دیدہ زیب اور خوش نما رنگوں اور مختلف شکلوں والی یہ مچھلیاں مختلف خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے دیدہ زیب رنگ جو دیکھنے میں بہت اچھے لگتے ہیں، ان کے لیے بھی بے حد فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔ ان رنگوں کی مدد سے وہ آسانی سے ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ اگر کوئی مچھلی گہرے سمندر میں رہتی ہے تو سورج کی روشنی حاصل کرنے میں یہ رنگ اسے مدد دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ رنگوں کی وجہ سے یہ اپنے دشمنوں سے بھی محفوظ رہتی ہیں۔

مورو: ایک تیز رفتار مچھلی ہے، جو ۶۰ میل فی گھنٹے کی رفتار سے سفر کر سکتی ہے۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

چپٹی مچھلیاں: انھیں فلیٹ فش کہتے ہیں۔ یہ سمندر کی تہ میں رہتی ہیں، اس لیے ان کا رنگ ریت اور چٹانوں سے ملتا جلتا، یعنی بھورا اور سرمئی ہوتا ہے۔ یہ رنگ بدلنے میں بھی ماہر ہوتی ہیں، یعنی ریت پر مٹیالا رنگ، چٹانوں پر گہرا رنگ، نیلے پانی میں نیلی اور لال پودوں کے پاس آ کر لال ہو جاتی ہیں۔

تتلی مچھلی: نیم گرم پانی میں پائی جاتی ہے۔ یہ تقریباً چھے انچ لمبی، گول کناروں والی ہوتی ہے۔ یہ ہر رنگ میں پائی جاتی ہے، لیکن چمکتا ہوا پیلا رنگ ہر ایک میں نمایاں ہوتا ہے۔ ان کے جسم پر اکثر کالی اور سرمئی رنگ کی پٹیاں ہوتی ہیں۔ ان کے جسم کا اوپر کی پنکھ کافی بڑا ہوتا ہے اور اس پر دو ایسے نشانات ہوتے ہیں، جو دور سے بالکل آنکھ معلوم ہوتے ہیں، اس لیے اس مچھلی کو چار آنکھ والی مچھلی بھی کہتے ہیں۔

بام مچھلی: یہ مچھلیاں سانپ کی طرح لمبی اور پتلی ہوتی ہیں۔ کچھ مچھلیاں اوپر سے چپٹی ہوتی ہیں، جسے تقر مچھلی کہا جاتا ہے۔ ایک قسم پائپ سے ملتی جلتی مچھلیوں کی بھی ہوتی ہے۔

کتا مچھلی: جسے ڈاگ فش کہتے ہیں، یہ تین فیٹ لمبی ہوتی ہیں۔ سمندر کے ٹھنڈے پانی میں رہنے والی باسکنگ شارک، شارک مچھلی کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ ۴۰ فیٹ لمبی ہوتی ہے۔ شارک مچھلی کے جسم پر ایک یا دو اوپری پنکھ، دو مضبوط شانے نما پنکھ اور پانچ سے سات گلپھڑوں کے سوراخ ہوتے ہیں۔ منھ، لمبی ناک والے حصے کی نچلی جانب ہوتا ہے، لیکن وہیل شارک کا منھ سر پر آگے کی جانب ہوتا ہے، جس طرح سمندر کے سب سے بڑے جانور وہیل میں ہوتا ہے۔ سفید شارک انسان کی سخت دشمن ہوتی

ہے۔ یہ بھی چالیس فیٹ کے لگ بھگ لمبی ہوتی ہے۔ اس کے منھ میں تکونے تلوار نما دانت ہوتے ہیں۔

شیر مچھلی: یہ بھی شارک کی ایک قسم ہے، جو دوسری مچھلیوں پر حملہ کر کے بیچ میں سے ان کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔ لقمہ اور رے مچھلیاں شارک کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں، ان کے شانوں کے پنکھ جسم سے مل جاتے ہیں اور اس طرح ان کی شکل ایک پلیٹ کی طرح ہو جاتی ہے۔ ان کے پیچھے لمبی سی پتلی دُم ہوتی ہے جو چپوار کا کام دیتی ہے۔ ان کا منھ نیچے کی طرف اور دونوں آنکھیں اوپر کی طرف ہوتی ہیں۔

ہتھوڑے نما سر والی مچھلی کا اگلا حصہ ہتھوڑے کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ اس کی ایک آنکھ ایک سرے پر اور دوسری دوسرے سرے پر ہوتی ہے۔ اس عجیب وغریب مچھلی کا سر اسے شکار تلاش کرنے میں مدد دیتا ہے، کیوں کہ جب وہ ایک دم پلٹتی ہے تو شکار کا بچ نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔

نیش ماہی بھی بہت خطرناک ہوتی ہے۔ یہ کم گہرے دلدلی پانی میں پڑی رہتی ہے۔ جب کوئی نہانے کے لیے سمندر میں جاتا ہے اور اس کے قریب سے گزرتا ہے تو یہ اپنی لمبی دُم پر لگے ایک زہریلے کانٹے سے حملہ کرتی ہے۔ اس کانٹے سے جو زخم انسان کے جسم پر لگ جائے تو وہ بہت کم ہی اچھا ہوتا ہے۔ حیرت انگیز طور پر مچھلیوں کے خون کا رنگ نیلا ہوتا ہے۔

شارک جیسی خوف ناک اور خونخوار مچھلیوں کے مقابلے میں ڈولفن فطرتاً بے حد شریف اور ذہین مچھلی ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ امن پسند اور انسان

دوست مچھلی ہے۔ یہ اپنے سر کی ٹکر سے شارک جیسی خطرناک مچھلی کو ہلاک کر سکتی ہے۔ اس خصوصیت کے باوجود ڈولفن لڑائی جھگڑے سے دور رہتی ہے۔

گہرے پانیوں کی اینگلر مچھلی اپنے سر پر موجود چمک دار تاج سے غذا پکڑنے میں مدد لیتی ہے۔

سمندری مچھلیوں کی ایک بڑی دل چسپ قسم غبارہ مچھلی ہوتی ہے۔ یہ گول مٹول ہوتی ہے۔ جب کوئی بڑی مچھلی اس پر حملہ کرتی ہے تو یہ اپنے جسم میں خوب پانی بھر لیتی ہے، جس کی وجہ سے ایک بڑی گیند جیسی بن جاتی ہے۔ اگر کوئی بڑی مچھلی اسے اپنے منھ میں ڈال بھی لے تو یہ دوسری ترکیب آزماتی ہے۔ بڑی مچھلی کے پیٹ میں پہنچنے کے بعد یہ ایک ایسا مادہ منھ سے نکالتی ہے جو بڑی مچھلی کے اندرونی اعضا پر اثر ڈالتا ہے۔ ساتھ ہی یہ اپنے تیز دانتوں سے بڑی مچھلی کا پیٹ کاٹنا شروع کر دیتی ہے، تاکہ باہر نکل سکے۔ بڑی مچھلی زخموں کی تاب نہ لا کر مر جاتی ہے اور غبارہ مچھلی آسانی سے اس کے پیٹ سے زندہ باہر نکل آتی ہے۔

لنگ فش: ایک ایسی مچھلی ہے جو گلپھڑوں اور (AIR BLADDERS) سے بھی سانس لیتی ہے۔ جس کے باعث یہ پانی کے بغیر بھی زندہ رہ سکتی ہے۔ قحط کے زمانے میں یہ مچھلی خود کو مٹی میں دفن کر لیتی ہے۔ اس دوران نہایت دھیمی رفتار سے سانس لیتی ہے۔

غرض ایسی عجیب و غریب مچھلیاں دیکھ کر اللہ کی کاری گری پہ پیار آتا ہے کہ اس نے کیسی خوب صورت دنیا تخلیق کی ہے، جسے انسان تباہ کرنے پر تُلا ہوا ہے۔

☆☆☆

نونہال خبر نامہ

سلیم فرخی

جدید موبائل فون نونہالوں کے لیے مضر ہے

آج کل کے روتے، منھ بسورتے بچوں کو اگر موبائل فون یا جدید آئی پیڈ دے دیں تو اس میں مگن ہو کر چپ ہو جاتے ہیں۔ امریکی طبی ماہرین نے ان آلات کو بچوں کی دماغی صلاحیت کے لیے نقصان دہ قرار دے دیا ہے۔ ماہرین نے خبردار کیا ہے کہ آئی پیڈ سے کھیلنے والے بچے اپنے جذبات پر قابو پانا نہیں سیکھ پاتے۔ بچوں میں تحمل پیدا نہیں ہو پاتا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ہر وقت موبائل یا ٹی وی اسکرین کے آگے بیٹھنے والے بچوں کی نہ صرف زبان متاثر ہوتی ہے، بلکہ دوسرے بچوں سے مقابلے میں بھی یہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔

انسان کی دماغی صلاحیت

امریکی طبی رسالے "فوربز" کے مطابق انسانی یادداشت کی صلاحیت گزشتہ تجزیوں، اندازوں اور اعداد و شمار سے کئی گنا زیادہ تسلیم کی گئی ہے۔ انسانی دماغ ایک ہزار کھرب بائٹس معلومات کا ذخیرہ کرسکتا ہے، جس کے مقابلے میں کمپیوٹر میموری کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ امریکی سائنس دانوں نے ذخیرے کی مقدار کا کھوج لگانے کے لیے دماغی خلیات میں موجود معلومات کے ذخیرے کے اعداد و شمار کو کمپیوٹر میموری کی "اکائی بائٹس" میں تبدیل کیا۔ تحقیق سے سامنے آیا کہ انسانی دماغ ایک ہزار کھرب بائٹس، یعنی ایک کے بعد ۱۵ صفر (1000,000,000,000,000) معلومات کا ذخیرہ کرسکتا ہے، جسے پیٹا بائٹس کہتے ہیں۔

☆☆☆

نونہال مصور

بشریٰ رانا، مرید کے

محمد عزیر چشتی، ڈیرہ غازی خان

شمسہ سعدیہ، حاصل پور

حفصہ مہک، کراچی

کنزہ احمد، لانڈھی

اقرا کنول حفیظ الرحمٰن، کراچی
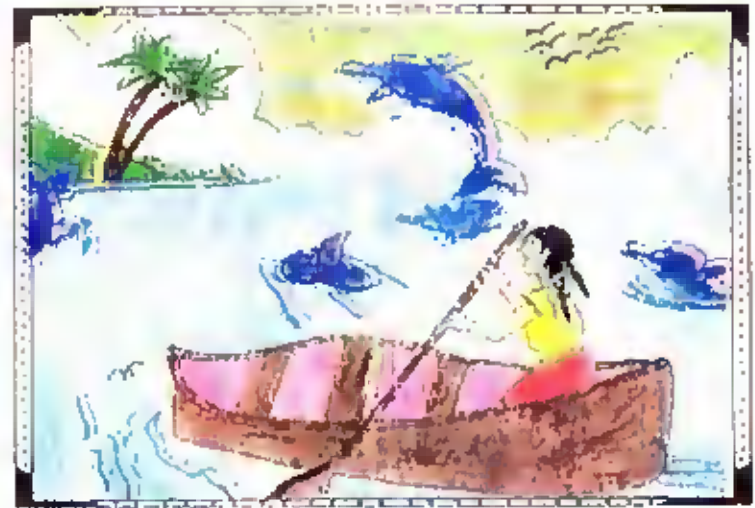
محمد حمزہ حفیظ الرحمٰن، شاہ فیصل کالونی
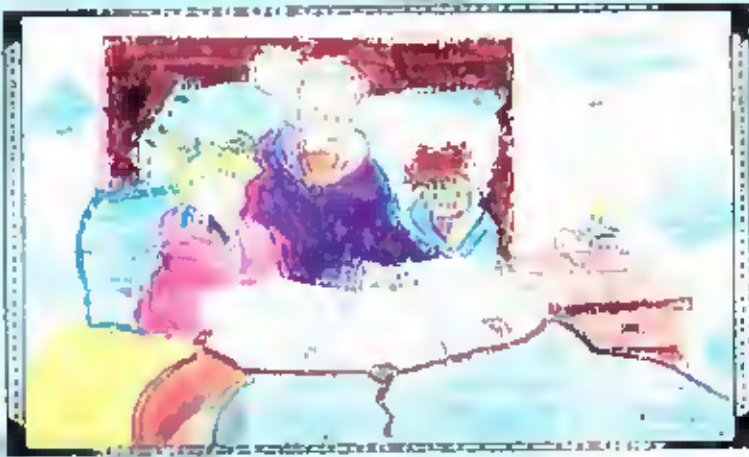
تفشالہ ملک، کراچی

بتول فاطمہ محمد وسیم، کراچی
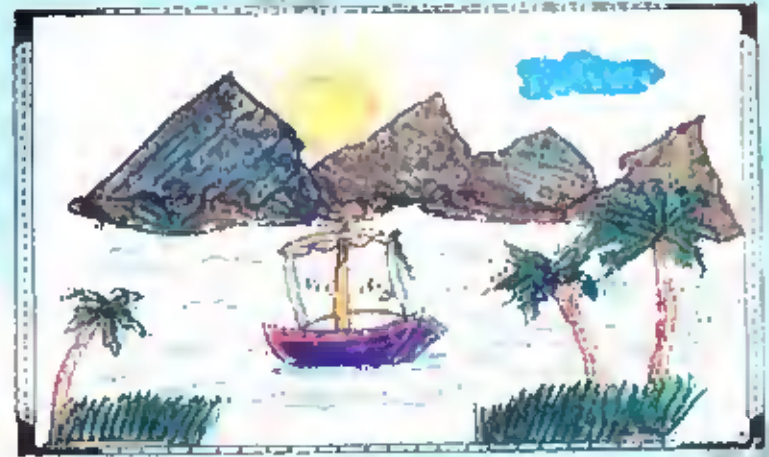
کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری ٹاؤن

ثانیہ حنیف، اوباڑو

سعدیہ سحر، اوباڑو

دانیال رحمٰن، کھاریاں
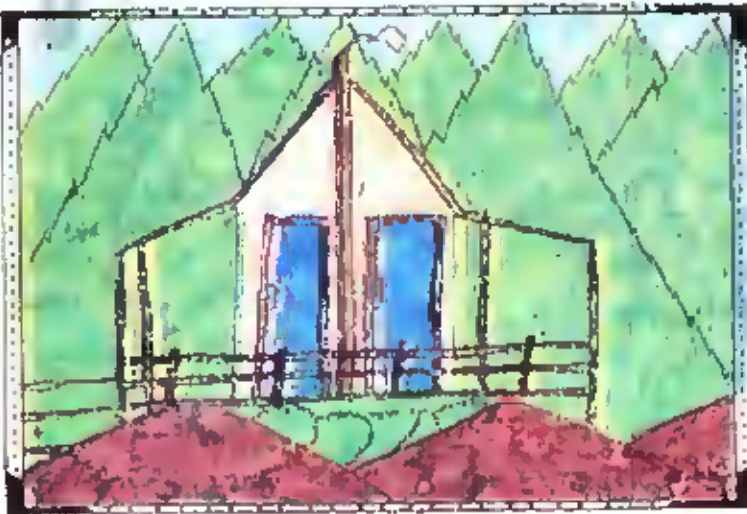
فضہ محبوب بھٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

مسکراتی لکیریں

باپ: ''اسکول کی ٹیسٹ رپورٹ میں تمھیں ایک بھی اسٹار نہیں ملا! کیوں؟''

بیٹا: ''ابو! استاد صاحب کے پاس اسٹار ختم ہو گئے تھے، اس لیے انھوں نے گول گول سیارے دینے شروع کر دیے۔''

لطیفہ : حریم وقاص، نارتھ کراچی

وہی آواز

لیاقت علی۔ تلمبہ
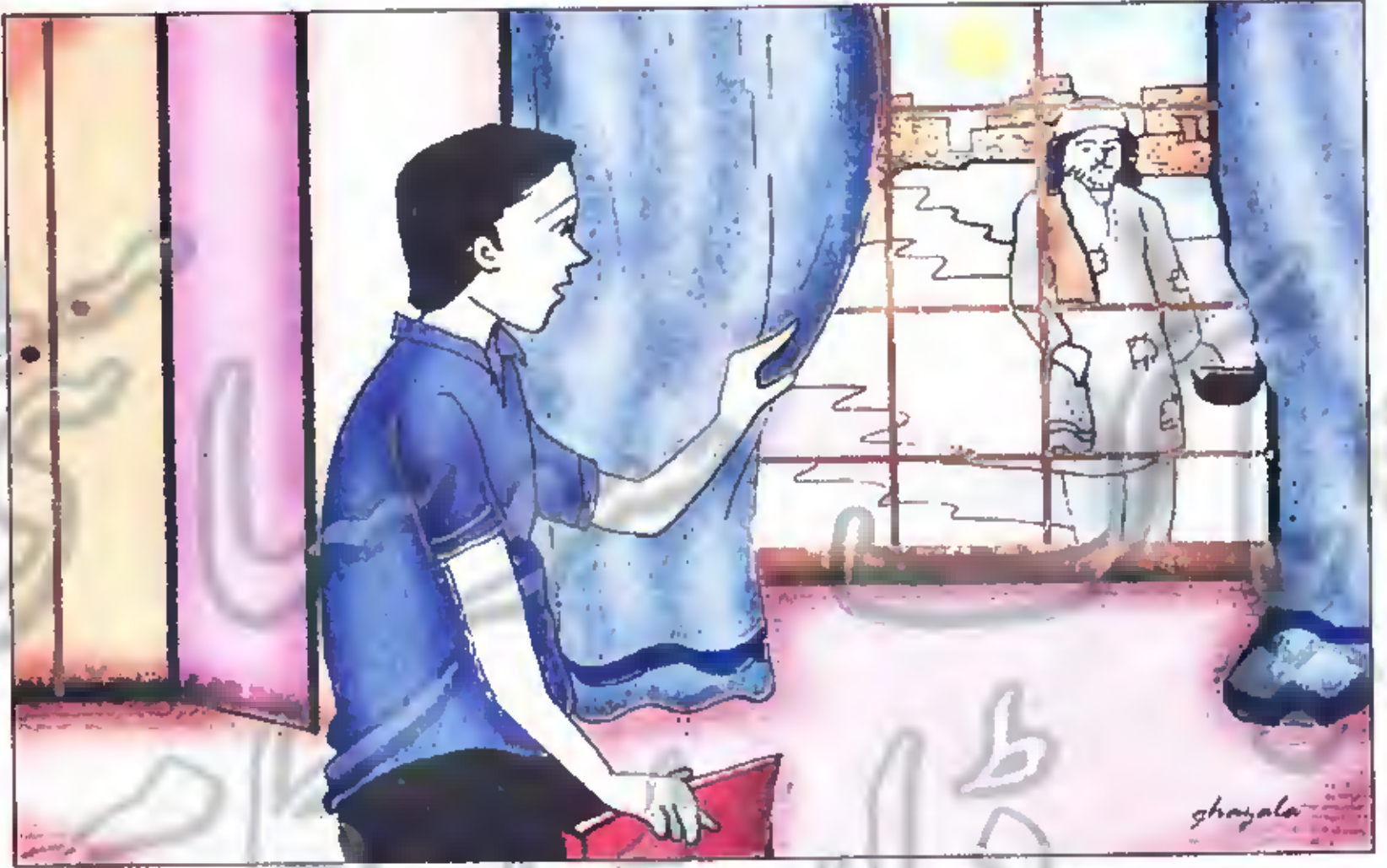
"اللہ کے نام پر بابا!" دوپہر کے کھانے کے بعد احمر کو لیٹے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک آواز سنائی دی۔

یہ دوپہر کا وقت تھا اور باہر شدید گرمی تھی۔ پہلے تو وہ بھکاری کو کچھ دینے کے لیے اُٹھا، لیکن پھر باہر شدید گرمی کی وجہ سے اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔

اتنے میں بھکاری نے دوبارہ صدا لگائی: "اللہ کے نام پر بابا! صبح سے بھوکا ہوں۔"

اب احمر کا دل بے چین ہو گیا۔ اس نے سوچا، اتنی گرمی میں کون باہر نکلتا ہے، بے چارہ ضرور بھوکا ہوگا۔ اس نے کھانا لیا اور باہر آ گیا۔ بھکاری کے ایک ہاتھ میں کشکول اور دوسرے ہاتھ میں پرانا سا رومال تھا۔ بھکاری پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

''یہ لو بابا!'' احمر نے اسے روٹی دیتے ہوئے کہا۔

''بہت بہت شکریہ بیٹا! مجھے سخت بھوک لگی ہے اور اس گرمی میں کوئی بھی گھر سے نہیں نکل رہا۔ خدا تمھاری عمر دراز کرے۔'' بھکاری نے روٹی لیتے ہوئے کہا۔

باہر دھوپ کی تپش بہت شدید تھی۔ احمر نے دیکھا گلی سنسان پڑی تھی۔ اکثر لوگ گھروں میں سو رہے تھے۔ وہ بھی گرمی سے گھبرا کر اندر جانے کے لیے جلدی سے پلٹا، مگر اچانک بھکاری نے اپنا رومال والا ہاتھ اس کی ناک پر رکھ دیا۔ رومال سونگھتے ہی اس کا سر چکرایا اور وہ بھکاری کے بازوؤں میں جھول گیا۔

......☆......

''بہت عجیب ہے یہ لڑکا جب بھی سوتا ہے سب گھوڑے بیچ کر ہی سوتا ہے اور پھر اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ عصر کا وقت ہونے کو آیا ہے اور ابھی تک اس کی نیند ہی پوری نہیں

ہوئی۔ عصر کی اذان کے ساتھ ہی احمر کی ماں نماز کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وضو کرنے کے لیے وہ جیسے ہی باہر نکلیں تو انھوں نے دیکھا احمر کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی اس کے کمرے کی طرف بڑھیں۔

''احمر! ......احمر!......'' انھوں نے پکارا، مگر انھیں کوئی جواب نہیں ملا۔ اب انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئیں تو دیکھا، احمر کمرے میں نہیں تھا۔

''شاید نماز پڑھنے چلا گیا ہو۔'' انھوں نے سوچا اور نماز کی تیاری کرنے لگیں۔ نماز کے بعد وہ گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔ مغرب کے وقت انھیں احمر کا خیال آیا۔ وہ ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔ اب وہ پریشان ہوئیں۔ انھوں نے شوہر کو فون کر کے یہ سب بتایا۔ احمر کے والد ڈاکٹر خالد یزدانی شہر کے معروف سرجن تھے اور اس وقت اسپتال میں تھے۔ وہ رات گئے گھر لوٹتے تھے۔ بیوی کا فون سنتے ہی وہ فوراً گھر پہنچ آئے۔ انھوں نے اِدھر اُدھر سے اس کا پتا کیا۔ اس کے سارے دوستوں سے پوچھا، مگر اس کا کچھ پتا نہیں چلا۔ اب انھیں شک ہوا کہ کہیں کسی نے اسے اغوا نہ کر لیا ہو، کیوں کہ آج کل ایسی وارداتیں زیادہ ہو رہی تھیں۔ احمر کی ماں اکلوتے بیٹے کی جدائی میں رو رو کر بے ہوش ہو چکی تھی۔

......☆......

''تاوان کی رقم وصول کرنے کی تیاری کرو۔'' کمرے میں موجود بھدے چہرے والے شخص نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دو نوجوانوں سے کہا: ''مجھے امید ہے کہ وہ ہمیں تاوان کی رقم ضرور دیں گے، کیوں کہ آج ہم نے جو شکار پکڑا ہے وہ کھاتے پیتے گھر کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے گھر والے اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک چکے ہوں گے۔''

وہ کل تین آدمی تھے۔ کسی زمانے میں وہ غریب طبقے سے تعلق رکھتے تھے، مگر جرم کے راستوں پر چلتے ہوئے انھوں نے کافی دولت جمع کر لی تھی۔ معصوم بچوں کو اغوا کرنا اور پھر اُن کی رہائی کے بدلے میں موٹی موٹی رقمیں وصول کرنا اُن کا پسندیدہ کام تھا۔ انھوں نے متفقہ طور پر ایک ساتھی کو اپنا سرغنہ بنا لیا تھا، جس کا ایک بچہ بھی تھا۔ اس نے احمر سے اس کے والد کا فون نمبر لے لیا تھا۔

......☆......

ڈاکٹر یزدانی بیٹے کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک چکے تھے، مگر اس کا کوئی پتا نہیں چلا۔ ڈاکٹر یزدانی پریشانی کے عالم میں تھانے جانے ہی والے تھے کہ اچانک ان کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ انھوں نے لپک کر فون اُٹھایا تو آواز آئی: ''تمھارا بیٹا ہمارے پاس ہے اور ابھی تک تو خیریت سے ہے۔ میری بات غور سے سنو...... اگر تمھیں اپنا بیٹا واپس چاہیے تو کل دوپہر تین بجے بڑے باغ کے پچھلے پلاٹ پر بیس لاکھ روپے لے کر پہنچ جانا...... اور ہاں اگر تم نے کوئی بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو حالات کے ذمے دار تم خود ہو گے۔''

''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے...... مجھے...... مجھے بس میرا بیٹا......'' ابھی ان کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

......☆......

دوسرے دن صبح وہ تینوں اپنے خفیہ ٹھکانے پر بیٹھے تھے اور بہت خوش تھے۔ آج وہ بیس لاکھ روپے تاوان وصول کرنے والے تھے۔ وہ وہاں بیٹھے آیندہ کے لیے نئے نئے منصوبے بنا رہے تھے۔ اچانک سرغنہ کے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ناگواری سے موبائل کان سے لگا لیا۔

''آپ کاشان کے والد بول رہے ہیں؟'' اُدھر سے عجلت میں پوچھا گیا۔

''جی ہاں کاشان میرا ہی بیٹا ہے۔ فرمائیے۔'' باس نے کہا۔

''میں کاشان کے اسکول سے بول رہا ہوں۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ شدید زخمی حالت میں سرو سزا اسپتال میں ہے۔'' اسکول کے کلرک نے بتایا۔

''چلو!...... جلدی سے گاڑی نکالو...... کاشان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ ہمیں فوراً اسپتال پہنچنا ہے۔'' سرغنہ نے ساتھیوں سے کہا اور جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ سب اپنی اگلی منصوبہ بندی بھول کر فوراً گاڑی میں اسپتال روانہ ہو گئے۔ یہ چھٹی کا وقت تھا اور سڑکوں پر ٹریفک کا ایک ہجوم تھا۔ اس ہجوم کی وجہ سے انھیں اسپتال پہنچنے میں کافی وقت لگ گیا۔ جب وہ اسپتال پہنچے تو کاشان آپریشن تھیٹر میں تھا۔ وہ بے چینی سے وہاں ٹہلنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر صاحب آپریشن تھیٹر سے باہر آتے دکھائی دیے۔ یہ ڈاکٹر خالد یزدانی تھے، جنھیں ایمرجنسی میں اسپتال بلایا گیا تھا۔ ان تینوں نے انھیں پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سب فوراً ان کی طرف لپکے۔

''ڈاکٹر صاحب...... ڈاکٹر صاحب...... مم...... میرا بیٹا کاشان...... ٹھیک تو ہے نا!'' سرغنہ نے آپریشن تھیٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر یزدانی سے پوچھا۔ ڈاکٹر یزدانی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور کہا: ہم اسے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

ڈاکٹر یزدانی کے جانے کے بعد دیر تک وہ تینوں پریشان بیٹھے رہے، پھر اچانک ایک کرخت آواز سنائی دی: ''فوراً اپنے ہاتھ اوپر اُٹھا لو، تم سب پولیس کی حراست میں ہو۔'' ان سب نے یک دم اس آواز کی طرف نظریں اُٹھائیں۔ انھوں نے دیکھا کہ پولیس نے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتے، سپاہیوں نے انھیں ہتھکڑیاں لگا کر گرفتار کر لیا۔ وہ بہت حیران تھے کہ اچانک پولیس وہاں کیسے پہنچ گئی۔

دراصل اسپتال میں جب کاشان کے باپ یعنی سرغنہ نے ڈاکٹر یزدانی سے اپنے

بیٹے کے بارے میں پوچھا تھا، تب ہی وہ آواز پہچان گئے تھے کہ یہ وہی آواز ہے، جس نے تاوان کے لیے فون کیا تھا۔ انھوں نے فوراً پولیس کو فون کر دیا تھا۔

انسپکٹر نے اسپتال پہنچ کر اُن سب کو گرفتار کر لیا۔ تھانے پہنچ کر انھوں نے اپنے تمام جرائم کا اعتراف کر لیا۔ ان کی نشاندہی پر پولیس نے اُن کے ٹھکانے پر چھاپہ مار کر تمام بچوں کو آزاد کرا لیا۔ اگلے دن تک تمام اغوا شدہ بچے اپنے اپنے گھروں میں پہنچ چکے تھے اور کاشان کی جان بھی بچا لی گئی تھی۔

☆☆☆

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

عمران چوہان، ٹب چوہان
عاصمہ فرحین، کراچی
مہک وقاص، صادق آباد
یمنیٰ توقیر، کراچی
سمیرہ بتول اللہ بخش، حیدر آباد
ارسلان اللہ خان، حیدر آباد

خواب

عمران چوہان، ٹب چوہان

میں ایسی دنیا کا خواب دیکھتا ہوں، جہاں کوئی انسان کسی سے نفرت نہیں کرے، جہاں محبت زمین کو نواز دے اور امن انسانیت کے راستے سجا دے۔ میں ایسی دنیا کا خواب دیکھتا ہوں، جہاں سب لوگ پُرمسرت آزادی کا مزہ جانتے ہوں، جہاں لالچ روح کو کم زور نہیں کرے۔ نہ کوئی لالچ ہمارے ذہن کو برباد کر سکے۔ میں ایسا خواب دیکھتا ہوں، جہاں گورے، کالے خواہ کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہوں، آپس میں پیار بانٹیں۔ میں ایسی دنیا کا خواب دیکھتا ہوں، جہاں ہر شخص آزاد ہو، کوئی کسی کا غلام نہیں ہو۔ میں ایسی دنیا کا خواب دیکھتا ہوں، جہاں سب مل جل کر رہیں اور پوری دنیا ہی جنت بن جائے۔

جڑواں درخت

عاصمہ فرحین، کراچی

سڑک کے کنارے دو بڑے اور گھنے برگد کے درخت تھے، جن پر بے شمار پرندوں نے اپنے گھونسلے بنا رکھے تھے۔ سڑک کے ساتھ ساتھ دن میں دو تین ٹھیلے نظر آتے تھے۔ ایک شربت والا، دوسرا

دہی بڑے، چاٹ، تیسرا بریانی والا۔ درختوں کے نیچے ایک موچی نے اپنا لکڑی کا بکس رکھا ہوا تھا۔ پاس ہی ایک بوڑھے بابا کپڑا بچھا کر پرانی کتابیں سستے داموں بیچا کرتے تھے۔

چوں کہ دونوں درخت بہت پرانے تھے، اس لیے انھوں نے بہت سے بچوں کو جوان اور جوانوں کو بوڑھا ہوتے دیکھا تھا۔ جب رات کو سب چلے جاتے تو وہ دونوں بھی اپنے دل کی باتیں کرتے تھے، مگر کوئی دوسرا ان کی باتوں کو سن نہیں سکتا تھا۔

ایک دن بلدیہ کے کچھ افسران معائنے کے لیے آئے تو انھوں نے سڑک کو کشادہ کرنے کے لیے ان درختوں کو کاٹنے کی سفارش لکھی اور چلے گئے۔ یہ دیکھ کر دونوں درخت اُداس ہو گئے اور رات کو جب سناٹا چھا گیا تو آپس میں باتیں کرنے لگے: ''انسان بھی کتنا ناشکرا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے گنوا رہا ہے۔'' پہلا درخت بولا۔

''تم نے ٹھیک کہا۔ آج کا انسان خود غرض اور لالچی ہے۔ وہ ظاہری اور جلدی حاصل ہونے والے نفع کے بارے میں سوچتا ہے۔'' دوسرا درخت بولا۔

''تم نے دیکھا نہیں...... کل جب کوّے کی بیٹ گری تھی تو اس آدمی نے کتنا شور مچایا تھا اور ریڑھی والوں نے کہا تھا کہ ان درختوں کی وجہ سے ہماری روزی خراب ہو رہی ہے۔'' پہلا درخت بولا۔

''بالکل درست کہہ رہے ہو۔ یہ انسان تو انسانوں تک کا شکریہ ادا کرنا بھول گئے ہیں، ہم درختوں کا کیا شکریہ ادا کریں گے۔ اب تو جمعدار کے بھی نخرے ہو گئے ہیں۔ کہتا ہے، بہت پتے گرتے ہیں اوپر سے ہوا چلتی ہے، کچرا کیسے سنبھالوں؟'' دوسرا درخت بولا۔

''مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہم ان کے کسی کام کے نہیں رہے۔'' پہلا درخت مایوس ہو کر بولا۔

''نہیں، میرے بھائی! ایسی بات نہیں ہے۔ دراصل انھیں ہماری قدر نہیں ہے۔ جب ہم نہیں ہوں گے، تب انھیں ہمارے فائدے معلوم ہوں گے۔'' دوسرے درخت نے اسے تسلی دی۔

وقت گزرتا گیا۔ تھے ماہ بعد بلدیہ والوں نے درختوں کو پورا تو نہیں کاٹا، مگر اس طرح چھانٹ دیا کہ ان کی شاخیں سورج کی گرم گرم شعاعوں کو روک نہیں سکیں۔

دوسرے دن جب ریڑھی والے آئے تو انھیں چبھتی ہوئی دھوپ کا سامنا کرنا پڑا۔ جو مسافر درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر آرام سے بریانی کھا کر شربت پی کر جاتے تھے، اب اس جگہ رکنے سے بھی کترانے لگے۔ جب کہ موچی نے چھتری لگالی، تاکہ دھوپ سے بچا رہے۔ بوڑھے بابا دنیا میں اکیلے تھے۔ صرف کتابوں کی خرید و فروخت سے ان کی گزر بسر ہوتی تھی۔ ایک دن گرمی برداشت نہیں کر پائے اور وفات پا گئے۔

سب ریڑھی والوں اور مسافروں کو یہ خبر سن کر بہت دکھ ہوا۔ اس دن درختوں نے بریانی والے رحمت چاچا کی باتیں سنیں: ''یہ درخت ہمارے لیے اللہ کی نعمت میں سے ایک تھے۔ یہ روزانہ ہمارا خیال کرتے تھے۔ چپ چاپ...... خاموشی سے۔''

''کبھی گرمی سے بچاتے، کبھی دھوپ کی تپش سے اور کبھی بارش سے اور ہم ناسمجھ ان کی مہربانیاں نہیں سمجھ پائے۔''

''بابا جی کو شاید ان سے محبت تھی۔ اس لیے وہ ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکے۔''

''ہاں! ہاں! سب سے پہلے بابا جی نے یہاں پر کتابیں بیچنا شروع کی تھیں۔''

اب مختلف آوازیں آرہی تھیں، جس

سے معلوم ہوتا تھا کہ انھیں درختوں کی ضرورت ہے۔

اگلے دن چاچا کھاد لائے اور انجاز شربت والے نے درختوں کو پانی ڈالا۔

درخت بھی ان کا مقصد سمجھ چکے تھے۔ ان کی اُداسی دور ہوگئی تھی۔ انھیں معلوم ہو چکا تھا کہ انسانوں کو اس تیز رفتار دور میں بھی ان کی ضرورت ہے۔

ایک سال بعد حماد جب اپنے ابو کے ساتھ نانی کے گھر آیا تو اسے پیاس لگ رہی تھی۔ اس کے ابو نے سڑک کے کنارے گاڑی روکی۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ حماد کو گرمی لگ رہی تھی اور وہ چاہ رہا تھا کہ جلدی سے کسی سائے میں بیٹھ جائے۔

درختوں کے نیچے بنچیں تھیں، جہاں پر سایہ تھا۔ وہ سکون سے وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ وہ دو درخت تھے۔ اس نے سر اُٹھا کر دیکھا تو اسے یہ دونوں درخت جڑواں بھائیوں کی طرح لگے تھے۔ جنھوں نے اسے دھوپ اور گرمی دونوں سے بچالیا تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ شربت والے نے شربت کا ٹھنڈا گلاس اسے تھمایا۔

''بیٹا! انکل کا شکریہ ادا کرو۔'' حماد کے ابو نے اسے ٹوکا، تا کہ ان کا بیٹا اخلاق میں پیچھے نہ رہ جائے۔

''شکریہ انکل! اور شکریہ درختو!'' حماد مسکراتا ہوا بولا۔

''درخت کا شکریہ کس لیے؟'' حماد کے ابو نے حیرت سے پوچھا۔

''اس لیے کہ انھوں نے مجھے گرمی اور دھوپ سے بچالیا۔'' حماد نے معصومیت سے جواب دیا۔

اس کی بات سن کر درخت بھی مسکرا دیے۔ انھیں یقین ہوگیا تھا کہ اس دور میں بھی بہت سے انسان ایسے ہیں، جن میں احساس زندہ ہے۔

رنگ برنگے چوزے

مہک وقاص، صادق آباد

ایک آدمی دکان دار کے پاس گیا اور اس نے انڈے مانگے۔ دکان دار نے اسے انڈے دے دیے اور کہا: ''ان میں سے جو چوزے نکلے گے وہ بہت جھگڑالو ہوں گے۔''

وہ شخص بہت خوش ہوا اور انڈے لے جا کر مرغی کے دڑبے میں رکھ دیے۔ کچھ دنوں بعد انڈوں میں سے چوزے نکل آئے۔ دن گزرتے رہے یہاں تک کہ چوزے بڑے ہو گئے، لیکن اس شخص کو یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ یہ تو آپس میں بالکل جھگڑا نہیں کرتے۔

وہ دکان دار کے پاس گیا اور بولا: ''تم نے تو کہا تھا کہ یہ جھگڑالو ہوں گے، لیکن یہ تو آپس میں جھگڑا نہیں کرتے، آپ نے مجھ سے غلط بیانی کی ہے اور اس کے لیے اب آپ میرے پیسے واپس کر دیں۔''

دکان دار نے وہ تمام مرغے اور مرغیاں اس سے لے لیں اور اسے اگلے دن آنے کا کہا۔

وہ آدمی اگلے دن آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ دکان دار نے تمام مرغے، مرغیوں پر مختلف رنگ کر دیے ہیں اور وہ مختلف پنجروں میں بند ہیں۔ جب دکان دار نے انھیں پنجرے سے باہر نکالا تو وہ سب ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے اور لڑنے لگے۔

وہ شخص یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ گھر میں تو یہ نہیں لڑ رہے تھے، لیکن اب یہ ایک دوسرے کی جان لینے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس نے دکان دار سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: ''کل تک ایک جیسے تھے، اس لیے آپس میں متحد تھے اور آج میں نے ان کو مختلف رنگوں میں رنگ دیا تو یہ ایک دوسرے کو غیر سمجھ کر آپس میں لڑ رہے ہیں۔''

ہمارا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ آج

ہم مختلف رنگوں اور فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، اس لیے آپس میں مل کر نہیں رہ رہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس فرق کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیں۔ ایک دوسرے کو غیر سمجھنا چھوڑ دیں اور پیار، محبت اور امن کی چادر اوڑھ کر ایک خاندان کے فرد کی حیثیت سے ایک دوسرے سے محبت کرنے لگیں۔ اسی میں ہم سب کا فائدہ ہے اور پاکستان اس طرح ترقی کی جانب گامزن ہوگا۔

پیاری فروا

مرسلہ : یمنیٰ توقیر، کراچی

فروا کتنی پیاری ہے
سب کی راج دلاری ہے
سب سے دیکھو ہاتھ ملائے
سب کے دل کو ہے یہ بھائے
سب سے گھل مل جاتی ہے
سب کے پاس آجاتی ہے
آنکھیں پیاری پیاری ہیں
باتیں پیاری پیاری ہیں
مما کی یہ ہے راج دلاری
پاپا کی یہ ہے شہزادی
نانی کی یہ ہے دعا
ہر دم ہنستی رہے سدا
اللہ اس کو سلامت رکھے
اس کو تا قیامت رکھے
اللہ اس کو نیک بنانا
نیکی کے راستے پہ چلانا
یمنیٰ خالہ ، وجیہ خالہ
کھلائیں میٹھے کا نوالہ
اللہ اس کو شاد رکھے
ہر غم سے آزاد رکھے

غلام کی ذہانت

سمیرہ بتول اللہ بخش، حیدر آباد

سلطان محمود غزنوی اپنے غلام ایاز کو بے حد عزیز رکھتا تھا، جس کی وجہ سے بہت سے درباری ایاز کے دشمن بن گئے تھے۔ سلطان محمود غزنوی کے کئی خاص درباری تھے۔

ایک مرتبہ ایک درباری نے پوچھا: ''آپ ایاز کو سارے درباریوں پر کیوں اہمیت دیتے ہیں؟ ایک غلام کی ذہانت اتنے سارے درباریوں کی عقل و دانش مندی کے برابر کیسے ہو سکتی ہے؟''

یہ بات سن کر سلطان محمود غزنوی کے ماتھے پر ناگواری کی شکنیں ابھر آئیں۔ چہرہ غصے سے تمتمانے لگا، مگر وہ غصے کو پی گئے اور ضبط کر گئے۔ جس شخص نے یہ سوال کیا تھا۔ اس نے سلطان کے چہرے کے تاثرات سے ان کی اندرونی کیفیت کو بھانپ لیا اور خود ہی پچھتانے لگا، مگر جب سلطان نے اس سے کچھ نہ کہا تو وہ چپکے سے چلا گیا اور اپنی بے عزتی نہ ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

کچھ دن بعد سلطان شکار کے ارادے سے جنگل کی طرف گیا۔ سلطان کے ساتھ اس کے درباری اور غلام ایاز بھی تھا۔ راستے میں اس نے ایک قافلے کو دیکھا، اس نے غلام ایاز کو بھیجا کہ جا کر اس قافلے کے بارے میں معلومات حاصل کر کے آؤ۔

غلام ایاز تفصیل معلوم کر کے آ گیا اور سلطان کو جواب دیا۔ اس کے بعد سلطان نے اپنے ایک درباری کو بھیجا: ''جا کر قافلے کے بارے میں معلومات حاصل کر کے لاؤ۔''

امیر نے آ کر جواب دیا: ''قافلہ شہر ''رے'' سے آ رہا ہے۔''

سلطان نے پوچھا: ''کہاں جا رہا ہے؟''

وہ درباری خاموش ہو گیا۔ سلطان نے دوسرے درباری کو حکم دیا: ''جا کر ان قافلے والوں سے ان کی منزل پوچھ کر آؤ۔''

تھوڑی دیر بعد امیر درباری نے آ کر جواب دیا: ''ان کی منزل ''یمن'' ہے۔''

سلطان نے پوچھا: ''ان کے پاس کیا اور کتنا سامان ہے؟''

وہ دوسرا درباری بھی خاموش ہو گیا۔

سلطان کو معلوم ہو گیا کہ اس نے سامان کے بارے میں معلومات حاصل نہیں کیں۔

سلطان محمود غزنوی نے ایک تیسرے درباری کو قافلے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔

اس نے آکر بتایا: ''قافلے والوں کے پاس ضرورت کا ہر سامان موجود ہے اور کچھ ہفتوں تک وہ آرام سے گزار سکتے ہیں۔''

سلطان نے پوچھا: ''یہ قافلہ روانہ کب ہوا تھا؟''

درباری شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا، کیوں کہ اس نے یہ تو پوچھا ہی نہ تھا۔ چوں کہ سلطان محمود غزنوی نے اس کے سامنے پہلے بھیجے ہوئے شخص سے سامانِ سفر کا پوچھا تھا، اس لیے اس کی توجہ بھی اس سوال کی طرف رہی۔

سلطان محمود غزنوی نے چوتھے درباری کو بھیجا، اس نے آکر بتایا: ''آٹھ دن پہلے روانہ ہوا تھا۔''

سلطان نے پوچھا: ''قافلے میں کتنے افراد ہیں؟''

وہ چوتھا درباری بھی خاموش ہو گیا، پھر سلطان نے پانچویں درباری کو بھیجا۔ اس نے آکر بتایا کہ قافلے میں ۸۰ افراد شامل ہیں۔''

جب سلطان نے پانچویں درباری سے پوچھا کہ قافلے والوں کی سواری کون سی ہے، تو وہ کوئی جواب نہ دے سکا، کیوں کہ اس نے بھاگم بھاگ یہ پوچھنے کی کوشش کی تھی کہ افراد کتنے ہیں، سواری پر تو غور ہی نہ کیا تھا۔

پھر سلطان نے چھٹے درباری کو بھیجا، اس نے آکر بتایا: ''سواری کے لیے ان کے پاس گھوڑے موجود ہیں۔''

غرض صرف ایک قافلے کی معلومات حاصل کرنے کے لیے سلطان نے بہت

سے درباریوں کو بھیجا۔

آخر میں سلطان نے اس اعتراض کرنے والے درباری سے، جس نے محمود غزنوی پر ایاز کو زیادہ اہمیت دینے پر اعتراض کیا تھا اس کو بلایا اور کہا: ''تم کہتے ہو کہ میں ایاز کو سب درباریوں پر ترجیح کیوں دیتا ہوں تو آج سب سے پہلے میں نے ایاز کو بھیجا تھا، اس کے بعد سب کو ایک ایک کر کے بھیجا، مگر تم میں سے جو بھی جاتا، ایک دو باتیں پوچھ کر بھاگا بھاگا آتا، مگر ایاز ایک ساتھ ہی وہ ساری معلومات اکٹھی کر لایا تھا جو تم لوگ ایک ایک کر کے لائے تھے۔''

سلطان کے جواب سے وہ درباری اپنی حرکت پر شرمندہ ہو گیا اور ایاز کی دانش مندی کا قائل ہو گیا۔

باقی امیر بھی ایاز کی عقل مندی کے معترف ہو گئے۔

خط

ارسلان اللہ خان، حیدرآباد

خط لکھنا ایک فن ہے۔ خط لکھنے سے نہ صرف اردو اچھی ہوتی ہے، بلکہ سلیقے سے لکھنے کا فن بھی آتا ہے۔ ایک زمانے میں خط لکھنے کا رواج عام تھا، لیکن اب جدید دور میں ای میل اور ایس ایم ایس نے اس کی جگہ لے لی ہے۔

خط لکھنے کا رواج ختم ہونے سے ہم اپنے اس ادب اور تہذیب سے دور ہو رہے ہیں، جس پر ایک زمانے میں دوسرے ممالک کے لوگوں کو رشک آتا تھا۔ خط کو مکتوب بھی کہتے ہیں۔ جس طرح خط کی جمع خطوط ہے، اسی طرح مکتوب کی جمع مکتوبات ہے۔ مکتوبات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات نے برصغیر پاک و ہند میں بے پناہ شہرت حاصل کی ہیں۔

آپؒ کے اصلاحی، علمی اور قلمی جہاد

سے متعلق مکتوبات، دورِ اکبری اور جہانگیری میں اسلام کی برتری کا ضامن بنے۔ اسی طرح غالب کے خطوط بھی اعلا پائے کے ہیں اور اردو ادب کا عظیم سرمایہ ہیں۔

ہمیں بھی چاہیے کہ خطوط کا سلسلہ قائم و دائم رکھیں۔ اس کے ذریعے سے ہمیں الفاظ کے بہتر چناؤ، القابات، آداب، الفاظ کا ذخیرہ بڑھانے میں مدد ملے گی، جو ہماری اخلاقی تربیت میں بے حد کام آئے گی۔

اپنے اسکول میں خط لکھ کر اردو کے استاد کو دکھایا کریں اور پابندی سے اصلاح لیا کریں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو اپنے رشتے داروں، عزیزوں میں سے کسی اردو کے استاد سے رابطہ کر کے خط لکھنا سیکھیں اور لکھتے رہیں۔

ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ پابندی سے ہمدرد نونہال میں خط لکھ کر اپنی پسند، نا پسند کا اظہار کیا کریں۔

لکھنے والے نونہالوں کو مشورہ

نونہال کہانی، مضمون وغیرہ جب اشاعت کے لیے بھیجیں تو ایک نقل (فوٹو کاپی) اپنے پاس ضرور رکھا کریں۔ جب آپ کی بھیجی ہوئی تحریر شائع ہو جائے تو دونوں کو ملا کر دیکھیں کہ کہاں کہاں تبدیلی کی گئی ہے۔ کس جملے کو کس طرح درست کیا گیا ہے۔ کون سا پیراگراف کاٹا گیا ہے اور نیا پیرا کہاں سے شروع کیا گیا ہے۔ تحریر کا عنوان بدلا گیا ہے یا نہیں اور اگر بدلا گیا ہے تو کیا یہ پوری تحریر کا احاطہ کر رہا ہے یا نہیں۔ ایسا کرنے سے آپ بہت جلد اچھا لکھنے لگیں گے۔ تحریر لکھ کر اس کے نیچے اپنا پتا ضرور لکھ دیں، ورنہ تحریر ضائع ہو جائے گی۔ طویل تحریر نہ لکھیں۔

☆☆☆

ہنڈ کلیا

مسور کا مزے دار سُوپ

مسور کی دال کو انگریزی میں ''لین ٹل'' (LENTIL) کہتے ہیں۔ انگریز پتلی مسور کی دال کو لین ٹل سوپ کہتے ہیں۔ یہ سوپ انھیں بہت اچھا لگتا ہے۔

مسور کی دھلی ہوئی دال : ۳۵۰ گرام
لہسن (پسا ہوا) : ایک چائے کا چمچہ
پیاز (باریک کٹی ہوئی) : ایک عدد
ایک گاجر درمیانی : ٹکڑے کر لیں
سفید زیرہ پسا ہوا : ایک چائے کا چمچہ
تیز پات : ایک یا دو
نمک اور کالی مرچ پسی ہوئی : حسب ذائقہ
گھی یا تیل : ۵۰ گرام
پانی یا گوشت کی یخنی : ۲ لیٹر
لیموں : ایک عدد

ترکیب: پتیلی میں گھی یا تیل ڈال کر دھیمی آنچ پر گرم کریں۔ اس میں پیاز، لہسن اور گاجر کے ٹکڑے ڈال کر بھونیں۔ پیاز نرم ہو جائے تو پہلے سے دھلی ہوئی مسور کی دال ڈال دیں، پھر اس میں تیز پات کے ساتھ پانی یا یخنی شامل کر کے گلنے کے لیے رکھ دیں۔ دال گل جائے تو نمک، کالی مرچ شامل کریں۔ اُتارتے وقت پسا ہوا سفید زیرہ ڈال کر لیموں کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔ جی چاہے تو تھوڑا ہرا دھنیا کاٹ کر شامل کر لیں۔ نزلہ اور گلے میں خراش ہو تو تھوڑی سی ہری مرچ ڈال کر پئیں اور چادر اوڑھ کر آرام کریں، فائدہ ہوگا۔ سردی کے بخار میں بھی یہ سوپ مفید ہے۔ ہری مرچ کی جگہ ادرک استعمال کر سکتے ہیں۔ ☆

ہمدرد نونہال اسمبلی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی .... رپورٹ : حیات محمد بھٹی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں مہمانِ خصوصی محترم محمد بلیغ الرحمٰن (وفاقی وزیر برائے تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت) تھے۔ رکن شوریٰ ہمدرد محترم نعیم اکرم قریشی نے بھی اجلاس میں خصوصی شرکت کی۔ یومِ قائد کے تعلق سے اجلاس کا موضوع تھا:

''قائداعظم محمد علی جناح کی خواہش، ایک فلاحی اسلامی مملکت''

اسپیکر اسمبلی عائشہ اسلم تھیں۔ اجلاس کا آغاز حسبِ روایت تلاوتِ کلامِ پاک و ترجمہ سے ہوا، جسے مہک زہرا اور ساتھی نونہالوں نے پیش کیا۔ شعیب خان نے حمدِ باری تعالیٰ اور طلحہ خان نے نعت شریف پیش کی۔ نونہال مقررین میں محمد اویس، عینا شہباز، ارباز خان، فرزین سجاد اور شفا سرفراز شامل تھیں۔ نونہال مقررین نے قائد کے خیالات کی روشنی میں ملک کو سنوارنے بالخصوص نظامِ تعلیم درست انداز میں قائم کرنے پر زور دیا۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے کہا کہ سماجی اور معاشرتی مساوات، انصاف کا آسانی سے ملنا، حصولِ علم کے یکساں مواقع، صحت کی سہولتیں، باعزت روزگار کی فراہمی اور مصنوعی مہنگائی کا خاتمہ، کسی بھی فلاحی معاشرے کی بنیادی شرائط ہیں۔ تحریکِ حصولِ پاکستان کی بے مثال جدو جہد کرتے ہوئے بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے مخلص ساتھیوں کے پیشِ نظر یہی سوچ کارفرما تھی کہ

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں محترم محمد بلیغ الرحمٰن، محترمہ سعدیہ راشد، محترم نعیم اکرم قریشی، محترم حیات بھٹی اور نونہال مقررین

مسلمانانِ برعظیم اس وقت تک سکون و عافیت کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے جب تک ان کے لیے ایک ایسا وطن حاصل نہ کرلیا جائے، جہاں وہ اپنی مذہبی تعلیمات اور اپنے بزرگوں کی روشن روایات کو راہنما بنا کر امن و سکون سے رہ سکیں۔ بانیانِ پاکستان کی خواہشات کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے ہمیں اور ہمارے بڑوں کو کیا کرنا چاہیے، اس پر دردمندی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

محترم بلیغ الرحمٰن نے کہا کہ قائد کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں۔ انھوں نے اس قوم کو متحد کیا۔ علامہ اقبال نے پاکستان کا خواب دیکھا اور قائد نے اس خواب کو سچ کر دکھایا۔ قائد اس ملک میں اسلامی نظام چاہتے تھے۔ وہ اس نظام کو دنیا کے سامنے ایک عملی نمونے کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے۔ وہ اقوامِ عالم پر یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے اور آنے والے تمام زمانوں میں اس کی اہمیت و افادیت یکساں اور تسلیم شدہ ہے۔

اس موقع پر نونہالوں نے ایک ملی ترانہ اور رنگا رنگ ٹیبلو پیش کیا۔ آخر میں انعامات تقسیم کرنے کے بعد دعائے سعید پیش کی گئی۔

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور .... رپورٹ : سید علی بخاری

قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت، ایمان، اتحاد اور تنظیم سے منھ موڑنے کی وجہ سے آج ہم میں باہمی محبت، اتحاد اور عدم برداشت کی کمی ہے۔ ہم نفرت، تعصب اور بغض کی گرفت میں ہیں اور اسی کم زوری نے ہمیں متحد اور منظم قوم کے بجائے ایک تتر بتر ہجوم میں تبدیل کر دیا ہے، قومی یک جہتی کا حصول۔ قائداعظم کی ہدایات پر عمل کر کے ہی ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار **"قائداعظم محمد علی جناح کی خواہش، ایک اسلامی فلاحی مملکت"** کے موضوع پر صدر ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، محترمہ سعدیہ راشد

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور میں محترمہ سعدیہ راشد، ڈاکٹر اجمل خاں نیازی، پروفیسر حنیف شاہد، سید علی بخاری اور نونہال مقررین

نے کیا۔ ڈاکٹر اجمل نیازی مہمانِ خصوصی تھے۔ انھوں نے کہا کہ شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید نے حقیقی معنوں میں قائداعظم کے منشور کو آگے بڑھایا۔ وہ پاکستان کو قائداعظم کا پاکستان بنانا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی انھوں نے نئی نسل کو کوئی پیغام دیا تو اس پیغام میں سے پھول جھڑتے تھے۔ حکیم صاحب نئی نسل کی آبیاری کے لیے آخری دم تک فکر مند رہے۔

اجلاس میں محترمہ فاطمہ منیر احمد، جناب حکیم عثمان اور پروفیسر حنیف شاہد نے

خصوصی طور پر شرکت کی۔ نونہال مقررین میں نویرا بابر، فصیحہ نور، عبداللہ مسرور، طوبیٰ نعیم، حمزہ علی، عبداللہ فاران اور محمد ولید شامل تھے۔ نونہال مقررین نے عہد کیا کہ ہم قائداعظم کے افکار پر عمل کریں گے۔ پیارے وطن پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی مملکت بنانے کے لیے اپنے فرائض ایمان داری سے ادا کریں گے۔ اجلاس میں مختلف اسکولوں کے نونہالوں نے ٹیبلوز اور دعائے سعید پیش کی۔

ہمدرد نونہال اسمبلی کراچی .... رپورٹ : محمد عمران اصغر

ہمدرد نونہال اسمبلی کراچی کے اجلاس میں مہمانِ خصوصی پاک قطر بزنس کونسل کے چیئر مین محترم محمود ارشد صاحب تھے۔ اسپیکر اسمبلی مریم اکبر تھیں۔ تلاوتِ قرآن پاک و ترجمہ سید محمد حذیفہ نے پیش کیا اور ہدیۂ نعتِ رسولِ مقبولؐ حافظ قرأت صدیقی نے پیش کی۔ اسمبلی کا موضوع تھا:

''علامہ اقبال کے افکار کی روشنی میں تعلیم کی اہمیت''

نونہال مقررین میں حمنہ شکیل (قائدِ ایوان)، حافظ عبیدالرحمٰن (قائدِ حزبِ اختلاف) فاطمہ حیات، عریشہ غوری، سمیع ذاکر شاہ، طہٰ معظم اور سہانا عبدالقادر شامل تھیں۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے علامہ اقبالؒ کے افکار کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے نوجوانوں کو بار بار متوجہ کیا ہے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ ہم اقوامِ عالم کے درمیان بلند اور سرفرازی کے مقام پر صرف اُسی صورت فائز ہو سکتے ہیں، جب ہم علوم و فنون کے میدان میں نہ صرف اپنے

ہمدرد نونہال اسمبلی کراچی میں محترم محمود ارشد اور محترمہ سعدیہ راشد انعام یافتہ نونہالوں کے ساتھ

دور، بلکہ آنے والے ادوار کی ضرورتوں سے بھی آگاہ ہوں۔ معاشرہ، آزادی کی حقیقی مسرتوں سے اس وقت تک فیض یاب نہیں ہوسکتا، جب تک اس کے تمام افراد علوم وفنون کے زیور سے آراستہ نہ ہوں۔

نونہال مقررین نے علامہ اقبال کی ملی وقومی خدمات پر انھیں پُرزور الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ان کے نقشِ قدم پر چلنے کا عزم کیا۔

مہمانِ خصوصی محترم محمود ارشد نے کہا کہ ہماری زندگی کا مقصد اس شمع کی مانند ہونا چاہیے جو دوسروں کو روشنی پہنچاتے پہنچاتے خود ختم ہو جاتی ہے۔

لیلیٰ علی اور انعمتا معراج نے جوشیلے انداز میں علامہ اقبال کی نظمیں پیش کیں۔

اس موقع پر نونہالوں نے ایک پُر اثر اور خوب صورت ٹیبلو پیش کیا۔ آخر میں دعائے سعید پیش کی گئی۔

☆☆☆

آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

یہ تو سب نونہال جان چکے ہیں کہ تصویر بنانے سے پہلے اس کا ایک خاکہ بنا لیا جاتا ہے۔ اس خاکے کی بنیاد پر تصویر کو مکمل کیا جاتا ہے۔ ایسی مثالیں آپ پہلے دیکھ چکے ہیں۔ اس بار ایک نئے خاکے پر بنی تصویر غور سے دیکھیے اور اپنی پسند کی تصویریں بنائیے۔ ☆

پرانا سکہ

شاہین طارق

جب میں مدرسے سے واپس آیا تو حکیم صاحب کو دادا کے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا۔

''دیکھیں برخوردار! میاں صاحب کو چینی اور میٹھے سے پرہیز کرانا ہوگا۔'' حکیم صاحب نے والد صاحب سے کہا۔

والد صاحب نے حکیم صاحب کو دروازے تک رخصت کیا، میں بہت حیرت سے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہا تھا اور ان کو دیکھ رہا تھا۔ حکیم صاحب کے جاتے ہی میں نے ابا سے پوچھا: ''حکیم صاحب کیوں آئے تھے؟''

''تمھارے دادا کی طبیعت خراب ہے۔'' انھوں نے بتایا اور جلدی سے دادا کے کمرے میں چلے گئے، میں بھی ان کے پیچھے دادا کے کمرے میں چلا گیا۔ دادا جان بستر پر مزے سے لیٹے ہوئے گڑ کھا رہے تھے۔ والد کو آتا دیکھ کر گڑ تکیے کے نیچے چھپا دیا، مگر میں نے اور والد صاحب نے دیکھ لیا۔

''دیکھیں ابا جی! اب آپ کو میٹھا نہیں کھانا چاہیے، حکیم صاحب نے سختی سے منع کیا ہے۔'' والد نے دادا کے تکیے کے نیچے سے گڑ کی بڑی سی ڈلی نکال کر مجھے دی اور دادا سے درخواست کی کہ وہ میٹھا نہ کھائیں۔

''جاؤ یہ اپنی ماں کو دے دو۔'' ابا نے مجھ سے کہا اور میں نے دیکھا کہ دادا کی نظریں بدستور میرے ہاتھ میں موجود گڑ کی ڈلی پر جمی ہوئی تھیں۔ میرے جانے سے پہلے ہی ابا کمرے سے چلے گئے۔ اس سے پہلے کہ میں کمرے سے نکلتا، دادا نے مجھے آواز دی: ''ارے میاں! یہ میری چیز ہے، واپس دو۔''

''نہیں دادا! حکیم صاحب نے منع کیا ہے، آپ کی طبیعت خراب ہے۔ میں یہ ماں کو دے دوں گا۔ وہ کوئی میٹھی چیز ہمارے لیے بنا دیں گی۔''

''دیتے ہو یا......'' دادا نے غصے میں ہلکی آواز میں کہا۔

''نہیں۔'' میں بھی ڈھیٹ بن گیا۔

''ارے میاں! تم یہ ایک رپے کا سکہ لو اور میری چیز مجھے دے دو۔''

''ٹھیک ہے سودا منظور ہے۔'' میں راضی ہو گیا اور میں نے دادا کو گڑ کی ڈلی دی اور دادا نے مجھے ایک رپے کا سکہ دے دیا۔ ابھی ہمارا سودا تکمیل کے مراحل میں تھا کہ والد صاحب دوبارہ

کمرے میں آنے اور دوائیں میز پر رکھ کر چلے گئے، مگر پکڑے جانے کے خوف سے دادا نے گرو فوراً تکیے کے نیچے رکھ دیا اور ہم رقم والا ہاتھ کمر کے پیچھے رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ اچانک سکہ ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا اور لڑھک کر دادا کے بستر کے نیچے چلا گیا۔ والد صاحب کے چلے جانے کا اطمینان کر کے ہم نے جھک کر سکہ تلاش کیا، مگر نہ ملا، کیوں کہ دادا کے بستر کے نیچے ہی ان کے بچپن سے جوانی تک کا نہ جانے کیا کیا سامان محفوظ تھا۔ کچھ سامان گتے کے ڈبوں میں تھا۔

''کیا ہوا؟'' دادا نے پوچھا۔

''میں نے جھکے جھکے ہی جواب دیا: ''یہاں اندھیرا بہت ہے، سکہ نظر نہیں آ رہا ہے۔''

''کوئی لکڑی لاؤ اور ٹارچ جلا کر دیکھو، سکہ مل جائے گا۔'' دادا نے کہا۔

میں چپکے سے ایک لکڑی تلاش کر کے لایا، دادا کے کمرے میں ٹارچ رکھی تھی، اس کی مدد سے بستر کے نیچے پیٹ کے بل گھس گیا کہ باہر صرف چپلیں نظر آ رہی تھیں۔

''جلدی تلاش کرو، ورنہ کوئی آ جائے گا۔'' دادا نے خدشہ ظاہر کیا۔

''دیکھ تو رہا ہوں، مل ہی نہیں رہا۔'' میں اپنے کپڑے خراب ہونے کی پروا کیے بغیر تلاش لے رہا تھا کہ کسی کے آنے کی آہٹ ہوئی اور دادا نے جلدی سے میری نظر آنے والی چپلوں پر اپنا لحاف گرا دیا۔

''ابا جی! آپ نے منصور کو کہیں باہر بھیجا ہے؟'' امی نے ہمارے متعلق پوچھا۔

''نہیں تو، شاید کسی دوست کے ساتھ باہر ہی ہو۔'' دادا نے صاف جھوٹ بولا۔

امی چلی گئیں۔ امی کے جاتے ہی دادا نے غصے سے کہا: ''منصور میاں! چھوڑو بھی سکہ، باہر آ جاؤ۔'' دادا کے کہنے پر میں نہ چاہتے ہوئے بھی باہر آ گیا۔ کپڑے جھاڑے اور آنکھ بچا کر گھر

سے باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آ گیا۔

''منصور! کہاں تھے تم؟'' امی نے پوچھا۔

''میں زاہد کے ساتھ باہر گیا تھا۔'' میں نے بھی دادا کی طرح جھوٹ بولا۔

''اور یہ تمھارے کپڑے کیوں گندے ہو رہے ہیں؟'' امی نے پوچھا۔

امی کے کہنے پر ہم نے اپنے کپڑے دیکھے جو دادا کے بستر کے نیچے گھسنے کی وجہ سے گندے ہو گئے تھے۔

''میں گر گیا تھا۔'' میں نے پھر جھوٹ بولا۔

امی نے میرے لیے صاف کپڑے نکالے مجھے نہلایا اور کپڑے تبدیل کروا دیے۔ میں وقتاً فوقتاً دادا کے بستر کے نیچے اپنا سکہ تلاش کرتا رہتا، مگر نہ جانے وہ کہاں چلا گیا تھا۔

میں مدرسے سے اسکول اور اسکول سے کالج چلا گیا، مگر وہ سکہ نہیں بھولا۔ پھر ایک دن دادا کا انتقال ہو گیا اور ان کے انتقال کے بعد والد صاحب نے وہ کمرا مجھے دے دیا، تاکہ میں پڑھائی پر پوری توجہ دے سکوں۔ کمرے کی صفائی ہوئی، بستر کی جگہ تبدیل کرنے کی غرض سے بستر ہٹایا گیا، بستر کے نیچے کی تمام چیزیں بھی ہٹائی گئیں۔ اسی صفائی کے دوران ۱۴ سال پہلے گم ہو جانے والا پرانا سکہ بھی مل گیا۔ سکے کے ملتے ہی ۱۴ سال پہلے والا منصور بن کر خوش ہوا اور سکہ جیب میں رکھ کر خوشی سے اُچھلنے لگا۔ یہ دیکھ کر والد صاحب بہت حیران ہوئے۔ ان کے پوچھنے پر میں نے سکہ گم ہونے کا قصہ سنایا۔ والد صاحب مسکرانے لگے، والدہ بھی ہنس پڑیں اور میری نظروں میں دادا کا مسکراتا ہوا چہرہ لہرا گیا۔

☆☆☆

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۵۴ (فروری ۲۰۱۷ء)

نام :

پتا :

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸-فروری ۲۰۱۷ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں اور صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (فروری ۲۰۱۷ء)

عنوان :

نام :

پتا :

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸-فروری ۲۰۱۷ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکا دیجیے۔

دنیا کے مشہور و مقبول ادیبوں پر مختصر معلوماتی کتابیں

حسن ذکی کاظمی کے قلم سے

ولیم شیکسپیئر انگریزی ادب کا عظیم ڈراما نگار، جس کے ڈرامے ساری دنیا میں پڑھے اور دیکھے جاتے ہیں۔
شیکسپیئر کی تصویر کے ساتھ خوب صورت ٹائٹل   صفحات : ۲۴   قیمت : ۲۵ روپے

سیموئل ٹیلر کولرج انگریزی کا عظیم شاعر جس نے خود علم سیکھا اور شعر وادب میں اپنا مقام بنایا۔
کولرج کی تصویر کے ساتھ خوب صورت ٹائٹل   صفحات : ۲۴   قیمت : ۳۵ روپے

ولیم ورڈز ورتھ عظیم شاعر جس نے انگریزی شاعری کو ایک نیا رخ دیا، سانیٹ بھی لکھے اور مضامین بھی۔
ولیم ورڈز ورتھ کی تصویر کے ساتھ خوب صورت ٹائٹل   صفحات : ۲۴   قیمت : ۳۵ روپے

برونٹے سسٹرز تین برونٹے بہنوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے سے عورتوں کے حقوق اور آزادی کے لیے آواز بلند کی۔ یہ ایک دل چسپ، معلوماتی کہانی اس کتاب میں پڑھیے۔
برونٹے بہنوں کی خوب صورت تصویر کے ساتھ رنگین ٹائٹل   صفحات : ۲۴   قیمت : ۴۵ روپے

چارلس ڈکنز عظیم ناول نگار جسے کتابیں پڑھنے کے شوق نے دنیا کے نامور ادیب کا اعلا مقام عطا کیا۔
ٹائٹل پر ڈکنز کی خوب صورت تصویر   صفحات : ۲۴   قیمت : ۴۵ روپے

ٹامس ہارڈی انگریزی کا پہلا ناول نگار جس نے گاؤں کی روزمرہ زندگی کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔
ہارڈی کی تصویر سے سجا ٹائٹل   صفحات : ۲۴   قیمت : ۴۵ روپے

رڈیارڈ کپلنگ انگریزی ادب کا عظیم کہانی نویس، نظم نگار، ناول نگار اور پہلا انگریز ادیب جسے ادب کا نوبیل انعام ملا۔
کپلنگ کی تصویر کے ساتھ رنگین ٹائٹل   صفحات : ۲۴   قیمت : ۴۵ روپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی ۔ ۷۴۶۰۰

ہنسی گھر

ننھے مزاح نگار

😊 والد تکیے کے نیچے مٹھائی رکھ کر چلے گئے۔ بیٹے نے مٹھائی دیکھی تو نکال کر کھالی اور تکیہ اپنے پیٹ پر رکھ لیا۔ کچھ دیر بعد والد آئے اور پوچھا: ''میں نے تکیے کے نیچے مٹھائی رکھی تھی، کہاں گئی؟''

بیٹا (معصومیت سے): ''ابا جان! مٹھائی تکیے کے نیچے ہی ہے۔''

مرسلہ : کبریٰ ادریس، کراچی

😊 ایک جنرل اسٹور پر بورڈ لگا ہوا تھا، جس پر لکھا تھا: ''اُدھار صرف ۸۰ سال سے زیادہ عمر کے لوگوں کو ملے گا، ان کے والدین سے پوچھ کر۔''

مرسلہ : عائشہ ندیم، کراچی

😊 سائنس کے ٹیچر نے پوچھا: ''بچو! میں یہ سکہ تیزاب میں ڈال رہا ہوں، کیا یہ حل ہو جائے گا؟''

شاگرد: ''جی نہیں سر!''

استاد: ''کیوں؟''

شاگرد: ''اگر سکے کو حل ہونا ہوتا تو آپ سکہ ہم سے مانگتے۔''

مرسلہ : فضا فاروق، لیاقت آباد

😊 ایک صاحب دوستوں کی محفل میں بیٹھے کہہ رہے تھے: ''گھر میں میرا حکم چلتا ہے۔ کھانے کے بعد بیگم سے کہتا ہوں کہ گرم پانی لاؤ تو فوراً لے آتی ہے۔''

ایک دوست نے پوچھا: ''کھانے کے بعد گرم پانی کیوں؟''

وہ صاحب بولے: ''گرم پانی سے برتن جلدی دھل جاتے ہیں۔''

مرسلہ : محمد عمر بن عبدالرشید، کراچی

😊 بچہ: ''امی! یہ برابر والے کمرے میں کون رو رہا ہے؟''

امی: ''تمھارے ابو کے دوست انھیں گانا سنا رہے ہیں۔''

مرسلہ : حفصہ محمد طاہر قریشی، نواب شاہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ایک بچے کی لکھائی بہت خراب تھی۔ استاد نے اس کی کاپی پر اصلاح کرتے ہوئے لکھا: ''صاف صاف لکھا کرو۔''

دوسرے دن شاگرد آیا اور کہا: ''ماسٹر صاحب! آپ نے میری کاپی پر کیا لکھا تھا، جو میرے گھر والوں سے بھی پڑھا نہیں گیا۔''

مرسلہ : اریبہ افروز، بفرزون

ڈاکٹر (عورت سے): ''تمھاری عمر کیا ہے؟''

عورت: ''پچیس سال۔''

ڈاکٹر: ''مجھے یاد ہے، تم نے دس سال پہلے بھی یہی عمر بتائی تھی۔''

عورت: ''اب مان لیجیے، عورتیں زبان کی کتنی پکی ہوتی ہیں۔''

مرسلہ : پرویز حسین، کراچی

میاں بیوی بازار گئے۔ ایک بھکاری نے صدا لگائی: ''اے شہزادے! پانچ روپے دے دو، اندھا ہوں۔''

بیوی نے میاں سے کہا: ''دے دو، تمھیں شہزادہ کہہ رہا ہے تو اندھا ہی ہوگا۔''

مرسلہ : خدیجہ صمد، دستگیر

بیٹا: ''ابا جی! مجھے عینک لگوا دیں۔ میری دور کی نظر کمزور ہے۔''

باپ: ''تمھیں سورج نظر آتا ہے؟''

بیٹا: ''ہاں۔''

باپ: ''تو اور کتنی دور دیکھنا چاہتے ہو!''

مرسلہ : حماد سعید، جڑانوالہ

ایک آدمی کے دروازے پر دستک ہوئی۔ انھوں نے پوچھا: ''کون؟''

باہر سے آواز آئی: ''پولیس! ہمیں آپ سے بات کرنی ہے، باہر آیئے۔''

ان صاحب نے پوچھا: ''آپ کتنے آدمی ہیں؟''

جواب ملا: ''تین۔''

وہ صاحب بولے: ''آپ آپس ہی میں بات کرلیں، میری کیا ضرورت ہے؟''

مرسلہ : زربخت منیر، سرگودھا

ایک دن ملا نصر الدین چند دوستوں کے ساتھ جنگل سے گزر رہے تھے۔ اچانک گائے کی آواز آئی۔ ملا کے دوستوں نے کہا: ''ملا جی! گائے آپ کو بلا رہی ہے۔''

ملا نصر الدین گائے کے پاس گئے اور واپس آ کر بولے: ''گائے پوچھ رہی ہے کہ آج آپ ان گدھوں کے ساتھ کہاں گھوم پھر رہے ہیں؟''

مرسلہ : ایم اختر اعوان، کراچی

☺ عاشر نے امتحان میں اردو کا پرچا پڑھا تو اس میں لکھا تھا: ''احسان کا بدلہ کے عنوان پر کہانی تحریر کریں۔''

یہ پڑھ کر عاشر نے کہانی لکھنا شروع کی: ''ایک دن میرے دوست احسان کو کسی لڑکے نے کنکر اُٹھا کر مار دیا، دوسرے دن جب احسان کو وہی لڑکا دکھائی دیا تو اس نے بھی ایک کنکر اُٹھا کر لڑکے کو مار دیا۔ اس طرح احسان کا بدلہ پورا ہو گیا۔''

مرسلہ : سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

☺ ایک آدمی نے ڈاکٹر کو فون کیا: ''ڈاکٹر صاحب! میرے بیٹے نے ریت کھا کر پانی پی لیا ہے، کیا کروں؟''

ڈاکٹر: ''بس اب سیمنٹ نہ کھانے دیں۔''

مرسلہ : سید علی حیدر شاہ، اباڑو

☺ جنگل میں چیونٹی کو دوڑتے ہوئے دیکھا تو چوہے نے پوچھا: ''کیا ہوا! کہاں بھاگی جا رہی ہو؟''

چیونٹی نے جواب دیا: ''ہاتھی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، اسے خون دینے جا رہی ہوں۔''

مرسلہ : اُسامہ ملک، جگہ نامعلوم

☺ ایک دیہاتی چار میٹر لمبے پائپ سے حقہ پی رہا تھا۔ دوست نے پوچھا: ''اتنے لمبے پائپ سے کیوں حقہ پی رہے ہو؟''

دیہاتی نے کہا: ''حکیم صاحب نے کہا تھا کہ تمباکو سے دور رہنا۔''

مرسلہ : ایان فیصل، نارتھ کراچی

☺ ایک دوست دوسرے سے: ''آج تم ڈاکٹر کے پاس جانے والے تھے، کیوں نہیں گئے؟''

دوست نے جواب دیا: ''کل جاؤں گا، آج میری طبیعت خراب ہے۔''

مرسلہ : کومل ظہیر، لیاقت آباد

☆ ☆ ☆

دنیائے اسلام کی نامور شخصیات کے بارے میں

ان کے باتصویر ٹائٹل کے ساتھ نئے ایڈیشنز شائع ہو گئے ہیں۔

کتاب کا نام	قیمت
۱۔ الکوہی۔ ماہرِ ریاضی	۳۵ روپے
۲۔ الادریسی۔ ماہرِ جغرافیہ	۴۲ روپے
۳۔ الفارابی۔ عظیم فلسفی	۴۵ روپے
۴۔ البیطار۔ ماہرِ نباتات	۵۰ روپے
۵۔ الوزان۔ عظیم سیاح اور واقعہ نگار	۴۵ روپے
۶۔ القزوینی۔ ماہرِ ارضیات	۴۰ روپے
۷۔ البیرونی۔ عظیم مفکر اور ماہرِ فلکیات	۴۰ روپے
۸۔ ابنِ خلدون۔ عظیم مورخ اور ماہرِ عمرانیات	۴۰ روپے
۹۔ جابر بن حیان۔ ماہرِ کیمیا	۴۰ روپے
۱۰۔ ابنِ یونس۔ ماہرِ فلکیات	۴۰ روپے
۱۱۔ الخوارزمی۔ ماہرِ حساب	۳۵ روپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

آدھا تھیں ۔ دوسرے نمبر کی کہانیاں بڑوں کا تحفہ، اژدہے کا شکار، بلاعنوان کہانی تھیں ۔ مثلی گدھا ایک پرانی کہانی سے ملتی جلتی تھی ۔ اس مرتبہ ہنسی گھر نے بہت ہنسایا ۔ مضامین میں ہمارا بلوچستان، معلومات ہی معلومات اور پاکستان اور قائداعظم اچھے تھے ۔ نظمیں تینوں ہی پسند آئیں ۔ نونہال خبرنامہ پڑھ کر بہت حیرت ہوئی ۔ علی حیدر، جھنگ صدر ۔

● سرورق بہت ہی پیارا ہے ۔ پہلی بات اور جاگو جگاؤ انتہائی سبق آموز ہیں ۔ نیا قیدی بہت ہی مزے دار کہانی تھی ۔ جھوٹ سچ آدھا آدھا اور مثلی گدھا اس مرتبہ زبردست کہانیاں ہیں ۔ نیکی کا سفر بھی خوب رہی ۔ خطوط ایک ماہ چھوڑ کر کیوں لگائے جاتے ہیں؟ غلام یٰسین نوناری، مظفر گڑھ ۔

> چوں کہ ہمدرد نونہال بہت زیادہ تعداد میں چھپتا ہے، اس لیے پریس میں زیادہ وقت لگتا ہے ۔ اس کے لیے ہمیں بہت پہلے تیاری کرنی پڑتی ہے ۔ اس دوران خطوں کی آمد جاری رہتی ہے، جو آیندہ مہینے شامل کیے جاتے ہیں ۔

● دسمبر کے شمارے میں جاگو جگاؤ سے لے کر آخر تک ہر کاوش آپ لوگوں کی محنت کا ثبوت ہے ۔ ہمدرد نونہال کی تعریف اور آپ سب کی محنت کو سراہنے کے لیے ہماری لغت میں الفاظ ختم ہو جاتے ہیں ۔ بہادر علی حیدر، کنڈیارو ۔

● دسمبر کا شمارہ بہت پسند آیا ۔ اژدہے کا شکار بہت اچھی تھی ۔ اس بار لطیفے بہت اچھے تھے ۔ سمرا احمرانی، میرپور خاص ۔

● روشن خیالات واقعی روشن تھے ۔ رسول اکرمؐ کی بچوں سے محبت، بہترین اور سبق آموز تحریر تھی ۔ کہانیوں میں جھوٹ سچ آدھا آدھا پڑھ کر مزہ بالکل بھی نہیں آیا، پہلے کہیں پڑھی تھی ۔ اس کے علاوہ تمام کہانیاں اچھی تھیں ۔ نونہال ادیب میں تمام تحریریں بہترین تھیں ۔ محمد عقیل اعوان، نوشہرہ ۔

● کہانیوں میں بڑوں کا تحفہ (احمد عدنان طارق)، اژدہے کا شکار (جاوید اقبال) معیار کی بلندیوں پر تھیں ۔ نظموں میں پروفیسر ہارون الرشید کی "صبح کا وقت" دل کو بہت بھائی ۔ محمد شریف شیوہ کی نعت رسول مقبولؐ پڑھ کر دل بہت ہی مسرور ہوا ۔ نسرین شاہین کی تحریر "ہمارا بلوچستان" پڑھ کر ہماری معلومات میں گراں قدر اضافہ ہوا ۔ راجا فرخ حیات، راجا عظمت حیات، راجا نزہت حیات، راجا محمد ضیاء فرخ جنجوعہ، پنڈ دادن خان ۔

● سرورق دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا ۔ جاگو جگاؤ نے حضورؐ کی پاک زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے زندگی گزارنے کا درس دیا ۔ پہلی بات اور اس مہینے کا خیال بہت ہی اثر انگیز تھے ۔ روشن خیالات دل میں گھر کر گئے ۔ کہانیوں میں جھوٹ سچ آدھا آدھا، نیکی کا سفر اور مثلی گدھا تجسس سے بھرپور اور بہت ہی سبق آموز تھیں ۔ نیا قیدی کا آخری حصہ بہت ہی دل چسپ تھا ۔ ڈاکٹر سید فرحت حسین کی تحریر "رسول اکرمؐ کی بچوں سے محبت" بہت متاثر کن تھی ۔ برکاتی صاحب کی کاوش "پاکستان اور قائداعظم" بہت ہی معلوماتی تھی ۔ نظموں میں "قائداعظم" اور "پیام" دل کی گہرائیوں میں اتر گئیں ۔ بلاعنوان کہانی سب پر نمبر لے گئی ۔ راجا ثاقب محمود جنجوعہ، عائشہ جنجوعہ، ثمینہ جنجوعہ، مصدف رانی، ثانیہ فرخ راجا، پنڈ دادن خان ۔

● ہمدرد نونہال ایک بہترین رسالہ ہے ۔ جو بچوں کی سیرت، شعور، کردار اور اخلاق کو سنوارتا ہے ۔ اس کی جتنی تعریف کی جائے، کم ہے ۔ ماہ نامہ ہمدرد صحت کی سالانہ فیس کتنی ہے؟ پروفیسر اعجاز علی پنھل، نوشہرو فیروز ۔

> ہمدرد صحت کی قیمت عام ڈاک سے سالانہ ۴۵۰ روپے اور رجسٹری سے ۵۷۰ روپے ہے ۔ رقم منی آرڈر سے بھیجی جا سکتی ہے ۔

● پہلے نمبر پر کہانی نیا قیدی پسند آئی، دوسرے نمبر پر جھوٹ سچ آدھا آدھا اچھی لگی، تیسرے نمبر پر مثلی گدھا اور بلاعنوان کہانی اچھی تھی ۔ نیکی کا سفر، بڑوں کا تحفہ اور دوسرے مضامین عمدہ تھے ۔ ہمارا بلوچستان (نسرین شاہین) کا مضمون بھی اچھا لگا ۔ عالیہ ذوالفقار، کراچی ۔

● تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں ۔ نیا قیدی، جھوٹ سچ آدھا آدھا، نیکی کا سفر، بڑوں کا تحفہ، مثلی گدھا، بلاعنوان کہانی اور اژدہے کا شکار بہت اچھی اور دل چسپ کہانیاں ہیں ۔ مضامین عمدہ ہوتے ہیں ۔

رسول اکرمؐ کی بچوں سے محبت، پاکستان دوستی ہمارا لشکر، جاگو جگاؤ اور پہلی بات اچھے سلسلے ہیں۔ نظمیں حمد اور اچھی تھیں۔ "صبح کا وقت" زیادہ اچھی لگی۔ تمام سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح اچھے ہیں۔ سرورق اچھا نہیں تھا۔ نونہال لغت بہت اچھی لگی۔ **عاصمہ ذوالفقار، کراچی۔**

❁ دسمبر کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ جھوٹ سچ آدھا آدھا اور بلا عنوان کہانی بہت دل چسپ تھیں۔ اژدہے کا شکار، مطلبی گدھا، نیا قیدی، بزدل کا تحفہ بہت پسند آئیں۔ ہنسی گھر بہت ہی زبردست تھا، بہت ہنسایا۔ نظموں میں قائد اعظم، نعت رسول مقبولؐ، پیامِ صبح کا وقت بہت پسند آئیں۔ غرض پورا شمارہ بہت ہی زبردست تھا۔ **محمد بلال یوسف، جھنگ صدر۔**

❁ دسمبر کا شمارہ بھی دیگر شماروں کی طرح لاجواب تھا۔ روشن خیالات والا صفحہ مجھے بہت ہی پسند ہے۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات نے بہت کمال دکھایا۔ کہانیاں بھی سب بہتر تھیں۔ بلاعنوان نے ایمان داری کے سبق کو احسن طریقے سے اجاگر کیا۔ علم دریچے سے بھی بہت سی باتیں حاصل ہوئیں۔ قائد اعظم نظم اچھی لگی۔ بلاعنوان انعامی سلسلہ اچھا ہے۔ **حافظ محمد اشرف، حاصل پور۔**

❁ ہر بار کی طرح اس دفعہ بھی تمام کہانیاں لاجواب تھیں۔ ہمدرد نونہال آنے والی نسل کو اردو زبان کی طرف لانے کے لیے ایک بہترین کوشش ہے۔ یہ میرا پہلا خط ہے۔ **محمد طیب، راولپنڈی۔**

❁ دسمبر کا شمارہ ہر لحاظ سے پسند آیا۔ کہانیوں میں بلاعنوان کہانی، مطلبی گدھا، اژدہے کا شکار اور جھوٹ سچ آدھا آدھا بہت پسند آئیں۔ معلوماتی تحریروں میں پاکستان دوستی، قائد اعظم اور رسول اکرمؐ کی بچوں سے محبت اچھی لگیں۔ نظموں میں قائد اعظم اور پیام پسند آئیں۔ غرض یہ کہ شروع تا آخر تمام رسالہ ہی بہترین تھا۔ **عبیرہ صابر، کراچی۔**

❁ دسمبر کے نونہال میں جاگو جگاؤ، رسول اکرمؐ کی بچوں سے محبت، پاکستان اور قائد اعظم، تنگی کا سفر اچھی تحریریں تھیں۔ باقی کہانیاں اور سلسلے بھی بہت اچھے رہے۔ **محمد معاذ یعقوب، رنچھوڑ لائن۔**

❁ اس بار بھی سرورق بہت پسند آیا۔ اس کے بعد جاگو جگاؤ اور پہلی بات پڑھی تو ہمارے پیارے نبیؐ کی یاد تازہ ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شعور اور علم سے نوازے اور ترقی کی منزلوں پر پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ روشن خیالات اور نعت رسول مقبولؐ پسند آئی۔ رسول اکرمؐ کی بچوں سے محبت، پاکستان اور قائد اعظم اچھی تحریریں تھیں۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو بلندیوں پر پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کہانیوں میں جھوٹ سچ آدھا آدھا، نیا قیدی، تنگی کا سفر اور اژدہے کا شکار خوب صورت کہانیاں تھیں۔ **عبیر مجید، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔**

❁ سرورق دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ سرورق پر بچے کی تصویر بہت پیاری لگ رہی تھی۔ جاگو جگاؤ سے لے کر نونہال لغت تک تمام سلسلے بہت ہی عمدہ ہیں۔ کہانیوں میں مجھے بزدل کا تحفہ (احمد عدنان طارق)، مطلبی گدھا (ادیب سمیع چمن)، اژدہے کا شکار (جاوید اقبال)، جھوٹ سچ آدھا آدھا (سید صبیح علی انور) پسند آئیں۔ ہنسی گھر نے مجھے کھلکھلانے پر مجبور کر دیا۔ رسول اکرمؐ کی بچوں سے محبت، پاکستان اور قائد اعظم بہت معلوماتی مضمون تھے۔ انکل! نونہال ادب کی کتابیں حیدر آباد میں کہاں سے مل سکتی ہیں؟ **مریشہ عروج مغل، حیدر آباد۔**

ہمدرد کی تمام مطبوعات منی آرڈر سے رقم بھیج کر ہمارے ادارے سے منگوائی جا سکتی ہیں۔

❁ میں پہلی بار خط لکھ رہی ہوں۔ اس رسالے کی تمام تحریریں اور مضامین شان دار اور جان دار ہوتے ہیں۔ ہر کہانی پڑھ کر لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ **حرا محمود احمد، میرپور خاص۔**

❁ دسمبر کا شمارہ بہت اچھا اور خوب صورت تھا۔ نبی کریمؐ کے بارے میں بہت ہی اچھی باتیں معلوم ہوئیں۔ روشن خیالات ہیرے کی طرح چمک رہے تھے۔ ویسے تو نونہال میں اکثر نعتیں شائع ہوتی ہیں، مگر اس مہینے نعت پڑھنے میں لطف آیا۔ رسول کریمؐ کی بچوں سے محبت اچھا اور دل کو چھو لینے والا مضمون تھا۔ پاکستان اور قائد اعظم، ہمارا بلوچستان بھی تحریریں تھیں۔ کہانیوں میں جھوٹ سچ آدھا آدھا، تنگی کا سفر، مطلبی گدھا، بلاعنوان کہانی، بزدل کا تحفہ، اژدہے کا شکار زبردست تھیں۔ نونہال خبرنامہ اور معلومات ہی معلومات سے ہمارے علم میں اضافہ ہوا۔ ہنسی گھر پڑھ کر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔ **تسبیح محفوظ علی، کراچی۔**

● دسمبر کا شمارہ بہت ہی عمدہ تھا۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات نے ایک مرتبہ پھر سبق آموز باتیں بتائیں۔ روشن خیالات میں بھی سبق آموز باتیں تھیں۔ نعت رسول مقبولؐ بہت ہی عمدہ تھی۔ دیگر تحریروں میں رسول اکرمؐ کی بچوں سے محبت بہت اچھی تھی۔ جھوٹ سچ آدھا آدھا، مطلبی گدھا، لاڈو بے کا شکار بہت مزے دار کہانیاں تھیں۔ معلومات ہی معلومات نے ایک مرتبہ پھر علم میں اضافہ کیا۔ بیت بازی کے اشعار بھی اچھے تھے اور سب سے بڑھ کر ہنسی گھر نے خوب ہنسایا۔ محمد ارسلان رضا، کبیر والا۔

● ہمدرد نونہال کی علمی دنیا میں کئی چمن آباد ہیں۔ روشن خیالات، علم دریچے، ہنسی گھر، بیت بازی، نونہال مصور، نونہال ادیب اور دیگر تحریریں، گلستان اپنی خوشبو اور مہک سے قارئین کو تر و تازہ کر رہے ہیں۔ میں بھی ہمدرد کا پھول بن کر اس چمن میں مہکنے کی کوشش کرتا ہوں۔ افسوس اس کے باوجود خط کا بڑا حصہ کاٹ دیا جاتا ہے۔ حافظ محمد اویس رضا عطاری، ملیر، کراچی۔

> ہمیں خط مجبوراً مختصر کر کے لگانے پڑتے ہیں۔ پورے پورے خط لگائیں تو کہانیوں کی جگہ نہیں بچے گی۔ نونہالوں کے اچھے مشورے نوٹ کر لیے جاتے ہیں۔ آپ کی محبت کا شکریہ۔

● دسمبر کا شمارہ پسند آیا۔ نیا قیدی کا آخری حصہ مزے دار تھا۔ مطلبی گدھا (ادیب سمیع چمن) پیاری کہانی تھی۔ خاص طور پر اس کہانی کی تصویری خوب صورت تھی۔ سچ کا وقت (پروفیسر ہارون الرشید) تصویر سے مزین اچھی تحریر تھی۔ لاڈو بے کا شکار (جاوید اقبال) اچھی کہانی تھی۔ شیخ سعدی سیلانی۔ عمدہ باعنوان کہانی بڑی مزے کی تھی۔ جھوٹ سچ آدھا آدھا (سید شفیق الحسن القادری) کی کہانی کا بھی کوئی جواب نہیں۔ بڑوں کا تحفہ (احمد عدنان طارق) بھی زبردست ہے۔ سلمان یوسف سمیجہ، علی پور۔

● دسمبر کا شمارہ بہترین تھا۔ روشن خیالات بہت اچھے تھے۔ اسحاق قندرانی، گھوٹکی۔

● دسمبر کا تازہ شمارہ لاجواب تھا۔ روشن خیالات کامیاب زندگی گزارنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ رسول اکرمؐ کی بچوں سے محبت، پاکستان اور قائد اعظم بہترین تحریریں تھیں۔ معلومات ہی معلومات سے بھرپور تھی۔ اس کے علاوہ تمام کہانیاں ایک دوسرے پر بازی لے گئیں۔ محمد سلمان زاہد، کراچی۔

● دسمبر کا چمکتا دمکتا ہمدرد نونہال ملا۔ سرورق اچھا تھا۔ کہانیوں میں شیخی کا صفر، لاڈو بے کا شکار، باعنوان کہانی اچھی تھیں۔ بسمہ مشتاق، کراچی۔

● دسمبر کا شمارہ پڑھ کر مایوسی ہوئی۔ نیا قیدی اور مطلبی گدھا وغیرہ کی تحریریں پھیکی پھیکی سی تھیں۔ علینہ رشید، کراچی۔

● کہانیوں میں نیا قیدی، جھوٹ سچ آدھا آدھا، شیخی کا صفر، مطلبی گدھا اور دیگر کہانیاں اچھی تھیں۔ نظمیں قائد اعظم، پیام اور صبح و وقت اچھی تھیں۔ انجم مقبول، کراچی۔

● ویسے تو پورا شمارہ ہی پسند آیا، لیکن سب سے زیادہ نیا قیدی (م۔ش۔ ایمن)، سیکڑوں سال بعد (جاوید اقبال) اور باعنوان کہانی (محمد ذوالقرنین خان) سب سے زیادہ پسند آئیں۔ نظم "میں ہوں کتاب" (شریف شیوہ) بہت اچھی لگی۔ نونہال ادیب میں (ثمین نوحری) کی مختصر کہانی "چیلاق" بہت اچھی اور تعلیم کی اہمیت کو واضح کرنے میں کامیاب ہوئی۔ سارہ مراد، حیدرآباد۔

● جاگو جگاؤ میں شہید حکیم محمد سعید کی بتائی ہوئی باتیں بہت ہی مفید تھیں۔ پہلی بات اور اس مہینے کا خیال بہترین تھا۔ نعت رسول مقبولؐ اچھی لگی۔ نظم "قائد اعظم" اچھی تھی۔ کہانیوں میں پہلے نمبر پر مطلبی گدھا (ادیب سمیع چمن)، دوسرے نمبر پر شیخی کا صفر (محمد حمزہ اشرفی)، تیسرے نمبر پر باعنوان کہانی (شیخ عبدالحمید عابد) اور جھوٹ سچ آدھا آدھا بھی مزے دار کہانی تھی۔ امداد علی، کراچی۔

● بچوں سے رسول اکرمؐ کی محبت بہترین مضمون تھا، جو ہمیں بچوں سے شفقت و محبت کا بہترین درس دیتا ہے۔ پاکستان اور قائد اعظم بھی عمدہ تحریر تھی اور قائد کے فرمان پر نوجوان کو آگے بڑھ کر اپنی ذمے داریوں کا احساس کرنا چاہیے۔ نیا قیدی بہت عمدہ اور پُراسرار کہانی تھی۔ اچھی لگی۔ علم دریچے میں سب ہی تحریریں عمدہ تھیں۔ عبدالجبار رومی انصاری، لاہور۔

☆

کوہِ نور ہیرا

شکیل صدیقی

''کوہ نور'' کو دنیا کا سب سے بڑا اور قیمتی ہیرا کہا جاتا ہے۔ یہ ایک زمانے میں ملکۂ برطانیہ کے تاج میں لگا تھا، لیکن اب لندن کے نادر ہاؤس میں رکھا ہوا ہے۔ آپ پوچھیں گے کہ یہ کہاں سے آیا تھا اور لندن کیسے پہنچ گیا؟

ایک روایت ہے کہ ہیرا تیرھویں صدی عیسوی میں آندھرا پردیش کے ایک قصبے گنتر کی کان سے ملا تھا۔ ہیرے، کوئلے کی کانوں سے ملتے ہیں۔ پھر انھیں تراشا جاتا ہے۔ جس سے ان کی چمک بڑھ جاتی ہے۔ جب یہ کان سے نکلا تھا تو اس کا وزن ۷۹۳ قیراط (ہیروں کا وزن کرنے کا پیمانہ) تھا۔ تراشنے سے ہیرے کی چمک بڑھ جاتی ہے، اس لیے یہ جس کی ملکیت میں ہوتا، وہ اسے مزید تراش دیتا۔ چناں چہ ایک وقت ایسا آیا کہ اس کا وزن اور سائز چھوٹا ہو گیا۔ ہوتے ہوتے صرف ۱۸۶ قیراط کا رہ گیا ہے۔

افغان حکمراں شاہ شجاع جن دنوں مہاراجا رنجیت سنگھ کے ہاں پناہ لیے ہوئے تھا، اس وقت کوہ نور اس کے پاس تھا۔ رنجیت سنگھ کو وہ ہیرا اتنا پسند آیا کہ اس نے شاہ شجاع سے وہ ہیرا چالاکی سے لے لیا۔ وہ دونوں پگڑیاں پہنے رہتے تھے۔ رنجیت سنگھ نے اس سے کہا کہ وہ اس سے بہت محبت کرتا ہے، لہٰذا انھیں اپنی پگڑیاں تبدیل کر لینا چاہییں اور پگڑی بدل بھائی بن جانا چاہیے۔ شاہ شجاع اس پر راضی نہیں تھا، لیکن اپنے میزبان کی بات مانے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا، کیوں کہ وہ رنجیت سنگھ کے ہاں پناہ لیے ہوئے تھا۔

نور الدین نامی ایک بہت بڑے مصنف نے ۱۰ فروری ۱۸۵۰ء کو لاہور کے ڈپٹی کمشنر میجر ''جی ایچ میکگر'' کو ایک خط لکھا (یہ خط اب پنجاب یونی ورسٹی میں محفوظ ہے)

اور یہ واقعہ تحریر کیا۔ نورالدین نے دو گواہوں کے نام بھی لکھے، جن میں وفا بیگم جو شاہ شجاع کی بیوی تھی، کا نام شامل تھا۔ نورالدین نے یہ بھی لکھا کہ جب وفا بیگم سے یہ پوچھا گیا کہ کوہ نور کی ان کی نظر میں کیا قدر و قیمت ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر کوئی طاقت ور شخص مشرق، مغرب، شمال، جنوب اور پھر آسمان کی طرف پتھر پھینکے پھر اس جگہ میں سونا بھر دیا جائے تب بھی وہ کوہ نور کی قیمت کے برابر نہیں ہو سکتے۔

نورالدین نے کمشنر کو لکھا کہ کوہِ نور ہیرا وفا بیگم کو واپس دلوایا جائے۔

رنجیت سنگھ کو کوہِ نور اتنا پسند تھا کہ وہ اسے ہر وقت اپنے بازو پر باندھے رہتا تھا۔ انگریز ڈپٹی کمشنر نے اسے کوہِ نور واپس کرنے کا حکم دیا، لیکن اس نے کمشنر کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ بہر حال جون ۱۸۳۹ء کو مرتے وقت اس نے اپنے نائب کھڑک سنگھ کو وصیت کی کہ کوہِ نور کو ''پوری'' نامی جگہ پر جو سکھوں کی بڑی عبادت گاہ ہے، اسے عطیہ کر دیا جائے۔ وہاں جتنے افراد تھے انھوں نے ایک دوسرے پر یہ ذمے داری ڈالنا چاہی لیکن کوئی اس پر تیار نہ ہوا۔ چناں چہ کوہِ نور کو سکھوں کے خزانے میں رکھوا دیا گیا۔

۱۸۴۱ء میں رنجیت سنگھ کے بیٹے مہاراجا شیر سنگھ نے اپنے باپ کی طرح اسے اپنے بازو پر باندھا اور ہنگری کے ایک مصور سے کہا کہ وہ کوہِ نور اور اس کی تصویر بنائے۔ مصور نے اس کی خواہش پر ایسی تصویر بنا دی۔ افسوس کہ شیر سنگھ کو بھی یہ ہیرا راس نہیں آیا اور ۱۸۴۳ء میں اجیت سنگھ سندھنوالا نے اسے قتل کر دیا۔

پنجاب کا آخری سکھ حکمراں مہاراجا دلیپ سنگھ تھا۔ اسے پانچ برس کی عمر میں تخت پر بٹھایا گیا۔ وہ اتنا چھوٹا تھا کہ کوہِ نور جیسا ہیرا نہ پہن سکا۔ چناں چہ اسے تخت پر لگا دیا گیا۔ بارہ برس کی عمر میں برطانیہ ہندستان پر قابض ہو گیا۔ انگریز لارڈ ڈلہوزی نے سکھوں کی ساری جائداد ضبط کر لی۔ اس میں کوہِ نور بھی شامل تھا۔ کوہِ نور ہیرے کا اب

تک کوئی نام نہیں تھا۔ انگریزی دور میں کوہِ نور کہلانے لگا۔ اسے برطانیہ کی ملکہ وکٹوریا کو لندن بھجوا دیا گیا۔ جہاں اس کے شوہر پرنس البرٹ نے ایمسٹرڈم بھجوا دیا کہ اسے بازو بند سے نکال کر علاحدہ کر دیا جائے۔ کوہِ نور کو مزید تراشا گیا اور اسے ۱۰۵.۶ قیراط کر دیا گیا۔ ملکہ نے اسے بروچ کی حیثیت سے استعمال کیا گیا۔ اس کے بعد ملکہ الگزینڈر (برطانیہ کے بادشاہ جارج پنجم کی بیوی) نے اسے اپنے تاج میں جڑ والیا۔

۱۹۱۱ء میں برطانوی حکمراں ایڈورڈ ہشتم کی بیوی کوئن میری نے اسے اپنے تاج میں لگوا لیا۔ پھر ۱۹۳۷ء میں شاہ جارج ششم کی بیوی ملکہ الزبتھ نے اسے پہنا۔ اس کے بعد اس تاج کو ٹاور آف لندن کے عجائب گھر میں رکھوا دیا گیا۔ اس کے برابر میں رکھے ہوئے شوکیس میں وہ بازو بند بھی رکھا گیا، جہاں سے اسے نکالا گیا تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوہِ نور کا مالک کون ہے؟ کیا یہ برطانیہ کی ملکیت ہے؟ بالکل نہیں اسے تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے ملکہ وکٹوریا کو تحفے میں پیش کیا تھا۔ ملکہ اس کی مالک نہیں تھی۔ تو پھر اسے آخری سکھ حکمراں دلیپ سنگھ کے وارثوں کو واپس کر دینا چاہیے، جسے ۱۸۴۹ء میں اس سے چھینا گیا تھا، لیکن ان کے وارثوں کا پتا نہیں چل رہا ہے۔ تو کیا افغان حکمراں شاہ شجاع کے وارث اس کے مالک ہوئے یا نادر شاہ جس کا تعلق ایرانی حکومت سے تھا؟

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان اور ہندستان وجود میں آئے تو شاہ جارج ششم نے دونوں حکومتوں سے پوچھا کہ کیا وہ اس ہیرے کو لینا چاہتے ہیں؟ ہیرا تاج سے نکلوانے کے بعد اسے نیلام کر کے رقم آدھی آدھی دونوں ملکوں میں تقسیم کی جاتی، مگر دونوں حکومتوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

☆☆☆

خانزادہ ☆ **ٹنڈو الہیار:** آمنہ آصف کھتری ☆ **سکرنڈ:** نوال شہزادہ ☆ **اسلام آباد:** بازہ صغیر ☆ **کوٹلی:** زرفشاں بابر ☆ **رحیم یار خان:** مریم مصطفیٰ ☆ **جامشورو:** مصعب سعید ☆ **وہاڑی:** مومنہ ابو بکر ☆ **سرگودھا:** ساجدہ منیر ☆ **خان پور:** مبشرہ مسعود خولہ ☆ **کالا گجراں:** محمد افضل ☆ **گوجرانوالہ:** سمیع اللہ قدیر ☆ **منگوال:** تحریم نور ☆ **شیخوپورہ:** محمد احسان الحسن ۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ **کراچی:** اسامہ علی ، رانیہ شفیق ، تسبیح محفوظ الحق ☆ **راولپنڈی:** محمد طیب ، ماہین زاہد ، ہانی صدیقی ☆ **لاہور:** محمد سعد اقبال ، امتیاز علی ناز ☆ **صادق آباد:** صفوان طالب ☆ **تیمر گرہ:** محمد احمد ہمدرد ☆ **سکرنڈ:** الطروبہ عدنان خانزادہ ☆ **کنڈیارو:** بہادر علی حیدر گندانی بلوچ ☆ **سکھر:** فائزہ مہر ☆ **کہروڑ پکا:** محمد ارسلان رضا ☆ **ٹیکسلا:** سید ضیا اللہ شاہ ☆ **پہاڑ پور:** محمد سعد الحسن اعوان ☆ **پنڈ دادن خان:** رابعہ قیب محمود تاق جنجوعہ ۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ **کراچی:** مسکان فاطمہ ، محمد عبد الرحمن ، علینہ ظفر ، نائلہ سیف ☆ **حیدر آباد:** عریشہ عروج مغل ☆ **ملتان:** عتیقہ محمد اصغر ☆ **اوباڑو:** سعدیہ تحریم ۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

☆ **کراچی:** ایم اختر اعوان ، کامران گل آفریدی ، بہادر ، محمد نور حیات ، احمد حسین ، اسامہ بن مولانا محمد نواز ☆ **لاہور:** محمد امیر حمزہ ، سید عون حیدر شیرازی ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** عمیر مجید ☆ **وہاڑی:** محمد یوسف ☆ **رحیم یار خان:** حسنات احمد چوہان ☆ **شکرگڑھ:** حافظ محمد قاسم خان ۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

☆ **کراچی:** محمد اویس رضا عطاری ، ایاز حیات ، رضوان ملک امان اللہ ☆ **حاصل پور:** حافظ احمد اشرف ☆ **راولپنڈی:** ملک محمد احسن ☆ **کھڈیاں:** شازیہ ہاشم سیالی ☆ **سرگودھا:** راجا مرتضیٰ خورشید علی ☆ **بالو شریف:** محمد عقیل اعوان ☆ **میر پور خاص:** حرا محمود احمد ☆ **اسلام آباد:** ایمن فصیح ۔ ☆

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال دسمبر ۲۰۱۶ء میں جناب شیخ عبدالحمید عابد کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کر کے تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو تین نونہالوں نے مختلف جگہوں سے بھیجے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ ضمیر کی آواز : سیدہ مریم محبوب، کورنگی، کراچی

۲۔ وفا کا پیکر : اسحاق گڈانی، شہباز کالونی، گھوٹکی

۳۔ نیکی کا چراغ : عمیر مجید، چڑیانہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ

❀ چند اور اچھے اچھے عنوانات یہ ہیں ❀

نوکر ہو تو ایسا۔ حاضر دماغ۔ نمک حلال۔ کر بھلا ہو بھلا۔

بہترین فیصلہ۔ چھوٹا محسن۔ راجا بنا ہیرو۔ وفادار نوکر۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: شاہ بشریٰ عالم، عائشہ عبدالواسع، کشف ضرار، کنزیٰ فاطمہ، مسز انعم سجان، علینا اختر، ربیعہ توقیر، عالیہ ذوالفقار، اعجاز حیات، محمد فہد الرحمٰن، کامران گل آفریدی، رضوان ملک امان اللہ، اختر حیات، بہادر، بلال خان، محمد جلال الدین اسد خان، محمد نور حیات، ایاز حیات، محمد اویس امیر احمد خان، محمد وقاص خان، احتشام شاہ، محمد معین الدین غوری، احسن محمد اشرف، محسن محمد اشرف، طلحہ سلطان شمشیر علی، محمد حسن علی، احمد حسین، سید اویس عظیم علی، معاذ جاوید، یوحنا خان، نزہ عامر، گلشا ضرار، فاتحہ ضرار، محمد اسد، زارا

ندیم، طوبیٰ بنت عبدالرؤف قریشی، عبدالرحمٰن بن سلام، اریبہ افروز، کہکشاں ادریس، عائشہ حسن، بانیہ شفیق، سکان فاطمہ، محمد حافظ یعقوب، کومل سلمان، سعید، عائشہ ندیم، ملیحہ ظفر، زیبان عنوان صالحین، تسنیم محفوظ علی، سیدہ ایمن صابر، محمد حمزہ حنیف الرحمٰن، ثمیرہ صابر، سندس آسیہ، محمد عثمان یوسف، انعم اختر اعوان، محمد سلمان زاہد، رسیہا اسلم، وریحہ خان، وقار، خرم، آمنہ کامران، آمنہ زین، بشریٰ کنول، امداد علی، سہیل روزی، یمنہ سجان، انشواد ندیم، ثمر ادریس رضا عطاری، سیدہ ساکا محبوب، سید صفوان علی جاوید، سید نوان علی جاوید، سید بازل علی اظہر، اعجاز حسن، ناجیہ شہباز، محمد شیث عباس، اسد ولید جنید، سامعہ منور، محمد نواز، مسفرہ، ایاز احمد، اسامہ خرم، طوبیٰ تنیر ☆ **بہاول پور:** محمد اسامہ اقبال، حافظ محمد اشرف، ایمن انور، قرۃ العین ثنی، احمد ارسلان، سباحت گل، محمد عبداللہ انور، محمد وسیم اللہ، ایمان عالیہ، عمران محمود اختر ☆ **ڈیرہ غازی خان:** محمد مدثر، رفیق احمد ناز ☆ **سرگودھا:** جویریہ ضیا، آمنہ زاہد خورشید علی، زرنجت منیر ☆ **گھوٹکی:** سعدیہ سحر ☆ **گوجرانوالہ:** آمنہ رضوان، آنج احمد نذیر ☆ **تلہ گنگ:** بشریٰ صفدر، کائنات نواز ☆ **وہاڑی:** محمد یوسف، مومنہ اوجی ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆ **خان پور:** مبشرہ مسعود خولہ ☆ **رحیم یار خان:** مریم مصطفیٰ، حسنات احمد پوہان ☆ **پنڈ دادن خان:** محمد زبیر، راجا ثاقب محمود ہاشمی جنجوعہ ☆ **میر پور خاص:** مہر احمدانی، شہر یار، صبا حسن، محمد انور ملک، حرا محمود احمد، ربیعہ سلیم ملک ☆ **حیدر آباد:** ماہ نور تبسم، ماہ رخ، صارم ندیم، حیان مرزا، افراح عارف، عریشہ عروج مغل، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ **فیصل آباد:** حذیفہ اظہر ☆ **ملتان:** شیخ محمد ریان طارق قریشی، عتیقہ محمد اصغر، ایمن فاطمہ ☆ **راولپنڈی:** محمد طیب، ملک محمد احسن، ثانیہ گلزار ☆ **اسلام آباد:** عنبر و بارووان، بازغہ منیر، محمد عمار، مریم اعتزاز، عبدالحق ☆ **لاہور:** محمد اسامہ اکرم غازی، عبدالجبار رومی انصاری، اشراح خالد بٹ، امتیاز علی ناز، سید عون حیدر شیرازی، محمد سعد آفتاب ☆ **پشاور:** محمد ہمدان ☆ **شکار پور:** صبا عبدالستار شیخ ☆ **مُغل شہر:** بشریٰ خیر محمد مغل ☆ **سکھر:** اسد اللہ، عامر شہزاد ☆ **سکرنڈ:** منور سعید خانزادہ، نوال شہزاد ☆ **سانگھڑ:** محمد عاقب منصوری ☆ **ہیراج کالونی:** فائزہ امیر ☆ **گجرات:** تحریم نور طاہر، محمد باسط منان ☆ **سیالکوٹ:** قاسم

نونہال لغت

لفظ	تلفظ	معنی
شب کوری	شَ بْ کو رِ ی	ایک مرض جس میں رات کو دکھائی نہیں دیتا۔ رتوندا۔
شیوہ	شے وَ ہ	طور طریق۔ ڈھنگ۔ انداز۔ روش۔ دستور۔
سرغنہ	سَ رْ غَ نہ	سردار۔ سرگروہ۔
کرخت	کَ رَ خْ ت	سخت۔ کڑا۔
آزردہ	آ زُ رْ دَ ہ	افسردہ۔ رنجیدہ۔ ناخوش۔ دکھی۔
کارفرما	کَ ا رْ فَ رْ مَا	حکم دینے اور چلانے والا۔ کمانڈر۔ کام لینے اور کام بنانے والا۔
سکتہ	سَ کْ تہ	ایک بیماری جس میں انسان مردے جیسا ہو جاتا ہے۔ شعر کی روانی میں نقص پڑنا۔ ٹھیراؤ۔
نکتہ	نُ کْ تہ	باریک بات۔ باریکی۔ تہ کی بات۔
ازالہ	اِ زَ ا لَہ	زائل کرنا۔ دور کرنا۔ ہٹانا۔ مٹانا۔
منقطع	مُ نْ قَ طِ ع	قطع کیا ہوا۔ کٹا ہوا۔ اختتام کو پہنچا ہوا۔ الگ کیا ہوا۔
لہولہان	لَ ہُو لُ ہَا ن	خون سے لت پت زخمی۔ خون میں لتھڑا ہوا۔ خون آلودہ۔
درگزر	دَ رْ گُ زَ ر	معافی۔ چشم پوشی۔ نظر اندازی۔
معزز	مُ عَ زْ زَ ز	عزت دار۔ بزرگ۔ بہت شریف۔ باوقعت۔
بغض	بُ غْ ض	دشمنی۔ عداوت۔ کینہ۔ حسد۔
توکل	تَ وَ کْ کُ ل	بھروسا۔ اعتماد۔
شامت	شَا مَ ت	آفت۔ برائی۔ بدنصیبی۔
امرت	اَ مْ رِ ت	آب حیات۔ اکسیر۔ بہت جلد فائدہ پہنچانے والی چیز۔